نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے!

ڈاکٹر عزیز احسن

نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے!

ڈاکٹر عزیز احسن

عہدِ حاضر میں نعتیہ ادب کا فروغ جس نہج پر اور جس انداز سے ہو رہا ہے، وہ نہ صرف خوش کن ہے، بلکہ نہایت امید افزا بھی۔ ایسے وقت میں کہ جب باطل قوتیں متنوع صورتوں میں دینی شعور و اقدار کے درپے ہیں، ہمارے معاشرے میں نعتیہ ادب کی پذیرائی اور ترویج کا یہ منظر نامہ اس امر کا غماز ہے کہ حق کی شناخت اور اثر آفرینی کے بڑھتے ہوئے اس دائرے میں ہماری فکری اور تہذیبی بقا کا سامان ہو رہا ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ اہتمام بہ یک وقت مختلف سطحوں پر ہو رہا ہے۔ نئے تخلیقی شعور کے ساتھ نعتیہ مجموعے شائع ہو رہے ہیں، محافلِ نعت اور نعتیہ مشاعروں کا انعقاد روز افزوں ہے۔ اسی طرح الیکٹرونک میڈیا پر بھی نعتیہ ادب کی پذیرائی میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ جامعات میں تنقید و تحقیق کا کام بھی جس انداز سے ہو رہا ہے، وہ اس صنف کی تعینِ قدر اور تفہیمِ فکر کے باب میں اہم کردار ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ ساری فضا بلاشبہ طمانیت بخش ہے۔

ڈاکٹر عزیز احسن ایک مدت سے نعتیہ ادب سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ انھوں نے تخلیقی و تنقیدی ہر دو جہات سے اس باب میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ تنقیدِ نعت کے ضمن میں بالخصوص ان کا تحریری اثاثہ توجہ طلب ہے۔ وہ ان معدودے چند لوگوں میں ہیں جنھوں نے علمی و ادبی سطح پر نعتیہ ادب کی تفہیم کے لیے اس کے تنقیدی ڈسکورس پر نہ صرف زور دیا، بلکہ اس حوالے سے وہ مثالی کام بھی کیا جو نقدِ نعت کے منہاج کی تشکیل کا ذریعہ بنا۔ انھوں نے اپنے تنقیدی مقالات اور مطالعات کے ذریعے نعت کے صنفی اور ادبی معیارات کو نہ صرف موضوع بنایا، بلکہ اس کے لیے تنقیدی شعور کی ضرورت کو بھی اجاگر کیا۔ یہی نہیں، بلکہ اپنی تحریروں میں اس کے خدوخال بھی واضح کیے۔

۱۹۹۵ء میں جب ''نعت رنگ'' کے ذریعے حمد و نعت کی تنقید کے سلسلے میں اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا تو ڈاکٹر عزیز احسن ابتدائی شماروں سے ہی اس سے وابستہ ہوئے اور تا حال ایک فعال اور سرگرم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کی تنقیدات میں ادبی اور شرعی دونوں جہات کا خصوصیت سے لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقید فکر و نظر کی روشنی کا ذریعہ بنتی اور اس کو پھیلاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے دونوں مضامین میں نکاتِ شرعیہ کو خاص طور سے واضح کیا گیا ہے۔ اہم بات یہ کہ ڈاکٹر عزیز احسن کے تنقیدی افکار و خیالات کو دینی حلقے کی تائید بھی حاصل ہے۔ اس کتاب میں ماہنامہ ''فقہِ اسلامی'' کراچی کے مؤسس پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز کی تقریظ اس کا ثبوت ہے۔ دین و ادب کے ایسے ہی امتزاج کی ہمیں آج خاص طور سے ضرورت ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ کریم اس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور اسے نعتیہ ادب کے فروغ اور تفہیم کا ذریعہ بنائے۔

صبیح رحمانی

ISBN NO.978-969-8918-50-7

نعتیہ شاعری

کے

شرعی تقاضے!

ڈاکٹر عزیز احسن

نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے!

مصنف: ڈاکٹر عزیز احسن

مرتب: منظر عارفی

اشاعت: جون،2019ء

ناشر: نعت ریسرچ سینٹر،B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی 75290

تعاون: بزمِ یوسفی، A-12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی 75290

قیمت: 250 (دوسو پچاس روپے، پاکستان میں)

ISBN NO.978-969-8918-50-7

برائے رابطہ: A-12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی 75290

نعت ریسرچ سینٹر، B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی 75290

انتساب

بنی نوعِ انسان کے فکری، تخلیقی، نظری و عملی دائروں کو

پاکیزہ اقدار کی روشنی سے حیات بخشنے والی ذاتِ والاصفات

وجہِ تخلیقِ کائنات

حضرت محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسّلام

کے نام

بصد عجز و نیاز و ادب و احترام

آئینۂ عنوانات

☆☆

قہرِ درویش بر جانِ درویش

اس عاجز مسکین کو اردو ادب کے ایک کہنہ مشق ادیب و نقاد جناب عزیز احسن صاحب کی جانب سے حکم ہوا کہ چوں کہ آپ میرے مقالہ کے بعض حصے اپنے ماہانہ مجلّہ فقہ اسلامی میں شائع کرنے کے قصوروار ہیں اور مجلّہ کے قارئین نے انہیں سراہا ہے، اور ہمارا ارادہ انہیں الگ کتابی صورت میں شائع کرنے کا ہے تو اب یہ بھی کیجیے کہ اس پر کچھ اپنے تاثرات بھی دے دیجیے، سوچتا رہا، نہ میری اردو شستہ ہے نہ شائستہ، ادبی زبان سے ناواقف و ناآشنا لکھوں تو کیا لکھوں کیسے لکھوں، رمضان المبارک کا مہینہ اسی سوچ بچار میں گزر گیا، اسی دوران پھر فون آیا، تو کچھ عذر بہانہ کر دیا، مگر تابہ کے؟ بالآخر عید بعد یہ ہوا کہ......

دریں دریائے بے پایاں در ایں بحر رواں فرسا
دل افگندیم بسم اللہ مجرے ھا و مرسٰھا

ہمت کر کے چند سطور موزوں کرنے کی کوشش کی جو پیش خدمت ہیں۔

جناب عزیز احسن صاحب کا پی ایچ ڈی کا مقالہ نعت پر ہے، جامعہ کراچی سے بحیثیت استاذ (۲۷ سال) منسلک رہنے کے سبب اکثر مقالات جو اسلامیات اور عربی کے شعبوں میں لکھوائے گئے گاہے گاہے میری نظر سے گزرتے رہے، جب ان کے مقالہ کے موضوع پر نظر پڑی تو اسے بھی دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا، چنانچہ جوئندہ یابندہ، مقالہ خود صاحب مقال سے دستیاب ہو گیا اور مطبوعہ ملا۔ مطالعہ شروع کیا تو حیرت ہوئی کہ عزیز احسن کو کیا پڑی تھی کہ توپوں کا رخ اپنی جانب کرانے پر زور صرف کرے نیزوں کی انیوں کی زد میں آئے، تیروں کی بارش کے مزے لے یا خشت باری کا نشانہ بنے، پھر جوان کے نشان زدہ بعض مقامات دیکھے جہاں کفریات تک بات پہنچی ہوئی تھی تو اطمینان ہوا کہ خیر اس کار خیر میں شہادت بھی نصیب ہو جائے تو مضائقہ نہیں......اور دو فائدے فوری متوقع ہیں، ایک شہید نعت کا لقب، اور دوسرے بہشت کی سیاحت، مگر اللہ کی مرضی غالب ہے تاحال اس کی نوبت نہیں آئی، اور اللہ کرے نہ ہی آئے، تاہم ہلکی پھلکی پھوار کی طرح کی کچھ سنگ باری کی خبریں ملتی رہیں۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ عزیز احسن صاحب نے ایسا کیا جرم کیا جو ان کے خلاف ایسی توقعات کے سوئے ظن کا ہم شکار ہوئے تو صاحب، مشاہدہ فرمایئے ان کے کارنامے......

وہ کہتے ہیں:............ چوں کہ نعت کے نفسِ مضمون کے فکری رشتے قرآن و حدیث سے بڑے گہرے ہیں، اس لیے امت کے سوادِ اعظم اہلِ سنت والجماعت کی مستند روایات اور صحاح ستہ اور احادیث و سیر کی امہاتِ کتب کا مطالعہ کرنا شاعر کے لیے بھی ضروری ہے اور نقاد کے لیے بھی تاکہ دینی شعور کی روشنی میں شعری اقدار پرکھی جا سکیں کھرے خیال کو کھوٹے خیال سے ممیّز کیا جا سکے،............

یعنی گویا شعرا کو مولوی بنانے چلے ہیں، اور نعت کہنے کا حقدار صرف مولویانہ علم کے ماہرین کو سمجھتے ہیں، اور مولوی بھی عام سا نہیں، بلکہ وہ جو مثنوی و مولوی و معنوی والا مولوی ہے، امہات کتب (دینیہ) کا عالم۔

ان کے خیال میں، شرعی معیارات، نعتیہ شعری سرمائے کو پرکھنے کے لیے سراجِ منیر کا حکم رکھتے ہیں۔ ان کا شعور قرآن و حدیث، آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، عہد نبوی کے شعرا کے کلام اور تاریخ کے بلاتعصب مطالعے سے پیدا ہو سکتا ہے۔

جس معاشرے میں شعرا عام اردو شاعری کے معیارات سے کماحقہ واقف نہ ہوں، اور محض تفریح طبع کے لیے شعر کہا کرتے ہوں یا داد و تحسین کے چسکے نے جنہیں شعر کہنے پر آمادہ کیا ہو، ان سے آپ شرعی معیارات کی پابندی کی توقع کریں، اور پھر قرآن و حدیث کے گہرے مطالعے کی مشکل میں ڈالیں، تو یقیناً آپ کے بارے میں اس قبیل کے شعرا کی رائے کچھ اچھی نہیں ہو سکتی جو جام و سبو کے کش لینے اور مئے تازہ سے وضو کرنے کے بعد قلم تھاما کرتے ہوں۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ نعت کے اشعار کی شعری بُنت میں شرعی حدود کا خیال رکھنے کے لیے کچھ امتناعی زاویوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک طویل فہرست ان عنوانات کی دی ہے جن کے حوالہ سے شعر کہنے سے قبل ہزار بار سوچنے کی ضرورت ہے۔

عزیز احسن صاحب نے اپنے اس نقادانہ مقالے میں ان مضبوط اعصاب کے مالک شعرا کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جن کے نزدیک حضور ﷺ کی ذات گرامی بھی ایک عام بشر کی مانند ہے سو ان کا نام

جیسے چاہو لے لو، اور ان کے بارے میں جو طومار چاہو باندھ لو، عقیدت میں ان کے لیے جیسے الفاظ پسند ہوں استعمال کر لو...... یہ تو ان مضبوط اعصاب کے مالک لوگوں کی بات ہے جن کے نزدیک ادب و آداب ثانوی چیزیں ہیں مگر عزیز احسن صاحب نے تو ادب وآداب والے بیٹھے بیٹھے لوگوں کو بھی نہیں بخشا وہ لکھتے ہیں:

''ایک صاحب نے بلا سوچے سمجھے حضورِ اکرم کے لیے میٹھے نبی ﷺ کی ترکیب استعمال کی۔ میٹھا، اشیاء کی شیرینی کے لیے تو استعمال ہوتا ہے۔ افراد کے لیے اس کے استعمال میں خوبی کے بجائے ذم کا پہلو ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم میں لفظ ''راعنا'' کے استعمال کی ممانعت کے ذریعے واضح فرمان جاری کر دیا ہے کہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ''ذومعنی'' ہو اور جس میں اچھائی اور برائی کے دونوں معنی پائے جاتے ہوں۔ اس لیے میٹھے نبی ﷺ کہنا بھی حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے...... کیوں کہ میٹھے کے معانی کچھ یوں بھی ہیں:

میٹھا:

۱۔ (کنایتہً) وہ شخص جس کی باتیں اور حرکتیں عورتوں کی سی ہوں، زنان منتری، زنانہ، زنخا، ہیجڑا (فرہنگِ آصفیہ)

۲۔ میٹھا ٹھگ: میٹھی میٹھی باتیں بنا کر ٹھگنے والا یار، دغا باز، بد دیانت، جھوٹا دوست، بے ایمان دوست؛ ٹھگوں کے اس فرقے کا آدمی جو میٹھا تیلیا (ایک زہر) کھلا کر مسافروں کو ہلاک کرتا اور لوٹ لیتا ہے، میٹھے والا (پلیٹس؛ فرہنگِ آصفیہ؛ مخزن المحاورات)۔

۳۔ میٹھی چھری: ا۔ (مجازاً) دشمن نما دوست، وہ شخص جو دوستی کے پیرائے میں دشمنی کرے، وہ شخص جو بظاہر دوست اور بباطن دشمن ہو، ظاہر میں خوشنما اور اصل میں مضرت رساں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ''میٹھا'' اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو حلیم الطبع، بردبار، دھیمے مزاج کا آدمی ہو اور جسے غصہ نہ آئے، لیکن یہ بات طے ہے کہ جس لفظ میں برائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو وہ خیر البشر جنابِ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور روحِ قرآن کے منافی ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے استعمال سے از حد گریز کی ضرورت ہے۔

جناب عزیز احسن صاحب نے برملا لکھا ہے کہ:

شاعر کا خود کو کسی طرح بھی نبی ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر سمجھنا یا لکھنا انتہائی بے ادبی ہے۔ صحابیت کا رتبہ جن کے نصیب میں تھا انہیں مل چکا اب کوئی بھی یہ رتبہ نہیں پا سکتا۔ امت کا بڑے سے بڑا اولی بھی یہ دعویٰ کرے تو اسے ہم صرف اور صرف شطحیات کے ذیل میں رکھیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شاعر نے کہا:

''قریبِ حضرتِ محبوبؐ داور ہوتے جاتے ہیں
بقاؔ! اب آپ سلمانؓ و ابوذرؓ ہوتے جاتے ہیں''

اس شعر میں جو دعویٰ ہے وہ روحانی واردات کے لحاظ سے کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو، شعر بہر حال مبالغہ آمیز ہی تصور کیا جائے گا اور شاعر کا دعویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ دیگر شعرا کو بھی مشورہ دیا جائے گا کہ اس قسم کے مبالغے سے اجتناب کریں۔ نقادانِ فن بھی ایسے اشعار پر گرفت کریں گے۔

بعض نعت گو شعرا کی ایسی غلطیوں کی نشاندہی اس مقالہ میں کی گئی ہے جو واقعتاً قابل مواخذہ ہیں، اور ان سے اجتناب لازم۔ مثلاً اکثر شعرا روزِ جزا کے حساب و کتاب سے بے غم نظر آتے ہیں جب کہ اللہ کے حبیب ﷺ اس کے لیے فکر مند نظر آتے ہیں کہ میرے امتیوں کا حساب و کتاب بخیر و خوبی ہو جائے۔

نبیِ اکرم ﷺ کی طرف سے روزِ جزا اپنے امتی کی شفاعت کرنے کا معاملہ صد فی صد اللہ کے ''اذن'' پر منحصر ہے۔ اللہ رب العزت نے خود فرما دیا ہے:

''مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اِذْنِهٖ ط''

''نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اس (اللہ) کی اجازت کے''

ایسی صورت میں کسی شاعر کا یہ کہنا کہ میری شفاعت تو ہو ہی جائے گی اس لیے مجھے روزِ جزا کی پرسش کا کوئی خوف نہیں ہے، بہت بڑی جسارت ہے۔ امید بڑی اچھی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے نا امیدی سے منع بھی فرمایا ہے۔ لیکن کسی تصور کو قطعیت کے ساتھ اس طرح شعری بنت میں لانا کہ قیامت سے امت کے گناہ گار بے خوف ہو جائیں، قطعی مناسب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک شعر کی تضمین

کے تین مصرعے اور وہ شعر، یعنی خمسے کا ایک بند پیشِ خدمت ہے:

''گنہ کا غم نہیں حافظ ، خطا کا غم نہیں حافظ
ہلالؔ اعمالِ بد کی انتہا کا غم نہیں حافظ
یہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو سزا کا غم نہیں حافظ
مجھے کچھ پرسشِ روزِ جزا کا غم نہیں حافظ
کرم سرکار کا غالب ہے میرے بارِ عصیاں پر''

جناب عزیز احسن صاحب نے اپنے مقالہ میں نعت گو شعرا کے جن بعض اشعار پر گرفت کی ہے، وہ سب بڑی بڑی شاعرانہ محافل و مشاعروں میں زور دار داد پائے ہوئے ہیں، اور بعض تو ایسے جن کا صوفی حضرات ورد کرتے ہیں، مثلاً بیدمؔ وارثی کا یہ شعر (جو یا تو ان کا ہے یا ان کی طرف منسوب ہے)

بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنساءؑ ، حسینؓ و حسنؓ ، مصطفیٰؐ علیؓ

جناب عزیز احسن صاحب نے اس شعر کے بارے میں حدیث قدسی، لولاک لما خلقت الافلاک، کے برعکس ایک تصور پیش کرنے پر اپنا موقف یوں بیان کیا ہے:

''اس شعر میں حدیثِ قدسی کے برعکس حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کے علاوہ چار اور مقدس ہستیوں کو ''مقصودِ کائنات'' قرار دیا گیا ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پانچ مقدس ہستیوں میں سے ایک تھے اور شعر میں مذکور ہستیوں میں سے چوتھے نمبر پر! میں اسے ''شرک فی النبوت'' کی مثال قرار دیتا ہوں''۔

انہوں نے غالب کا ایک خوبصورت شعر اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کیا ہے......وہ کہتے ہیں:

غالبؔ نے بھی مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے اصرار پر ایک مثنوی ''امتناعِ نظیر'' لکھی تھی۔ حالی نے یادگارِ غالب میں یہ پورا واقعہ بھی درج کیا ہے۔ وہیں غالبؔ کا یہ شعر بھی درج ہے:

''منشاء ِ ایجادِ ہر عالم یکیست

گردو صد عالم بود خاتم یکیست''

راقم الحروف نے بیدم وارثی کے مذکورہ شعر کو مسئلۂ امکانِ نظیر سے جوڑا تو روح کانپ گئی۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لیے ''خاتم النبیین'' کا منصب حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی یکتائی کا مظہر ہے۔ محولہ حدیثِ قدسی بھی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہی کو مقصودِ کائنات ٹھہراتی ہے۔ ان شواہد اور اجماعِ امت کے تناظر میں بیدم وارثی کا شعر عقیدے کے طور پر قبول کر لینا حضورِ اکرم ﷺ کی یکتائی کے تصور کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے اس طرح کے خیالات سے شعرا، علما اور سیرت نگاروں کو اجتناب کرنا چاہیے''۔

مشت نمونہ از خروارے میں نے عزیز احسن صاحب کے مقالہ سے نقد کی چند مثالیں نقد پیش کی ہیں جن سے قارئین یہ اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں کہ وہ کیا اسباب و عوامل ہیں جن کے پیش نظر عزیز احسن صاحب کا مقالہ اہل علم کی نظر میں اپنی ایک قدر رکھتا ہے، انہوں نے اگرچہ بعض بڑے بڑے شعرا کے نعتیہ کلام پر نقد کیا ہے اور بظاہر وہ ان کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں، مگر دوسری جانب جن کا دفاع کیا ہے وہ مقصودِ کائنات ہیں، وہ حبیب رب کریم ہیں، وہ بالمؤمنین رؤوف رحیم ہیں......

ان کی ذات والا صفات وہ ہے کہ جن کے بارے میں رب ذوالجلال نے فرمایا......**عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم**......تو جب وہ ہمارے وقار کے لیے اس قدر حریص ہوں کہ خداوند کریم شہادت دے رہا ہو تو ان کے لیے ان کے وقار کی خاطر ایک امتی کو اس قدر حریص تو ہونا ہی چاہیے کہ جس سے ان کی ذات پر آنے والے کسی ممکنہ حرف کا بطریق احسن سدباب ہو سکے......ورنہ پھر وہ اپنے نبی کی محبت میں احسن کیسا اور ان کی نگاہ میں عزیز کیوں کر ہو......ان کی تنقیدی آرا کے مطالعہ کے بعد آپ کی زبان سے بھی بے ساختہ نکلے گا......احسنت......

نعت نبی (ﷺ) کے سلسلہ میں عزیز احسن صاحب نے جس حزم و احتیاط کو پیش نظر رکھنے کی شعرا کرام سے گزارش کی ہے، امید کی جاتی ہے اسے ہر عادل شاعر و نقاد نہ صرف قبول کرے گا بلکہ ان کی تحسین کیے بغیر نہ رہ سکے گا کہ جذبہ صادقہ ہے اور وہ ہے صادق و امین نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کے مقامِ ادب کی پاسداری اور عبد و معبود کے مابین فرق کو ملحوظ خاطر رکھنے کا جذبہ......

اللہ رب العزت ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے......اور مستقبل کی نعتیہ شاعری پر ہم ان کی اس محنت کا اثر دیکھ سکیں۔

ان الله لا یضیع اجر المحسنین ....(اللہ محسنین کا اجر کبھی ضائع نہیں فرماتا)

راقم پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مدیر مجلّہ فقہ اسلامی کراچی

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

کاوشِ کُشادِ مَتن!

ماہنامہ ''فقہِ اسلامی'' کراچی، کے مؤسّس محترم پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب نے میرے تحقیقی مقالے ''اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' میں شامل شرعی معیاراتِ نعت کا مکمل لوازمہ (Matter) اپنے مجلّے کے جولائی 2017ء اور اگست 2017ء کے شماروں میں قسط وار شائع فرمایا تو بعض مقتدر علماء نے اسے سراہا۔ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے رکنِ رکین معروف عالمِ دین اور اسکالر جنابِ عبداللہ نے پشاور سے مجھے فون کر کے مضمون کی تحسین فرمائی اور اس تحریر کو کتابچے کی شکل میں شائع کروانے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ میری یہ تحریر پی ایچ ڈی کے اس مقالے کا ایک جزو ہے جس کی بنیاد پر جامعہ کراچی نے سن 2012ء میں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی تھی............علمائے عظام اور فقیہانِ کرام کے حلقے میں میری کسی تحریر کی پذیرائی کا یہ انداز میرے لیے اعزاز سے کم نہیں۔

مذکورہ مقالہ مارچ 2013ء میں، کتابی صورت میں شائع ہو گیا تھا۔ اس مقالے میں، شعری (Poetic) وشرعی (Jurisprudential) لحاظ سے نعتیہ متون (Texts) کو پرکھنے کے تنقیدی رجحانات کا جائزہ لیا گیا تھا۔

فی زمانہ نعتیہ شاعری کا تخلیقی وفور قابلِ لحاظ اور لائقِ توجہ ہے۔ آج تقریباً ہر شاعر نعت کہنے کی طرف مائل ہے اور سوشل اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے اپنی تخلیقات کو عام کرنے پر بھی مصر نظر آتا ہے۔ نعتیہ محافل بھی جس کثرت سے منعقد کی جا رہی ہیں، ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

الحمدللہ! نعتیہ ادب کے حوالے سے تحقیقی مقالات بھی لکھے جا رہے ہیں۔ مختلف جامعات میں، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی، کی سطح کے مقالات لکھنے کے لیے، طلباء وطالبات کو، عنوانات بھی دیئے جا رہے ہیں۔

اس لیے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ شعری (Poetic) و شرعی (Jurisprudential) معیارات کے ضمن میں نعتیہ ادب سے منسلک طبقات کی رہنمائی کے لیے

کچھ نکات پیش کر دیے جائیں۔ چناں چہ فی الحال مذکورہ تحقیقی مقالے کے ابواب دوم اور ہشتم کو کتابی شکل دی جارہی ہے، جن میں نعت کے شرعی (Jurisprudential) پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بابِ دوم مکمل اور بابِ ہشتم کچھ اضافوں کے ساتھ، عنوانات بدل کر اس کتاب میں شامل کیے جارہے ہیں۔

نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کی شمع روشن کرنے کا سودا میرے سر میں بڑی مدت سے تھا جس کا پہلی بار ظہور ''جواہر النعت'' (انتخاب نعت مطبوعہ ۱۹۸۱ء) کے مقدمہ میں ہوا۔ میرے مشفق استاد پروفیسر وسیم فاضلی (مرحوم) کے حکم پر میں نے ''پاکستان میں نعت گوئی'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جو سٹی کالج، کراچی کے پاکستان نمبر میں ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ اپریل ۱۹۹۵ء میں صبیح رحمانی کی ادارت میں، کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کا اجراء ہوا۔ اس کے پہلے شمارے میں ''نعتِ نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں'' اور شمارہ نمبر ۱۹ میں ''افصح العرب ﷺ کے حضور میں'' کے زیرِ عنوان، عملی اور تشریعی تنقید (Pratical,Legislative/Judicial Criticism) کے عکاس، مضامین شائع ہوئے۔

الحمدللہ ان تنقیدی تحریروں کو اہلِ علم نے میری توقعات سے بڑھ کر سراہا۔ پیشِ نظر کتاب میں صرف ''شرعی'' نکات پیش کیے جارہے ہیں۔ ادبی نکات کے لیے میری دوسری کتب بالخصوص ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' اور ''ہنر نازک ہے'' [مدحِ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ہنر نازک ہے]'' اور مذکورہ تحقیقی مقالے کے دیگر ابواب، ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

میں سید صبیح الدین صبیح رحمانی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ مبذول کروائی۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب کے لیے حرفِ سپاس!......کہ آپ نے اپنی دینی، تبلیغی اور مدیرانہ، گونا گوں مصروفیات کے باوجود میری اس ادنیٰ علمی کاوش کے مطالعے کے لیے وقت نکالا اور مجھے اپنے قیمتی کلماتِ خیر سے نوازا۔ منظر عارفی صاحب نے اس کتاب کی تدوین و ترتیب کی ذمہ داری قبول کر کے مجھے سہولت فراہم کی۔ اللہ انھیں خوش رکھے (آمین)!

موضوع بہت بڑا ہے اور یہ کتاب بہت مختصر!......دعا ہے، اللہ، علیم و خبیر! نعتیہ موضوع سے دلچسپی رکھنے والے طبقات (شعراء، اسکالرز اور نعت خواں) میں موضوع کی نزاکت وحسیت

(Sensibility) کا شعور بیدار فرمادے!......شعراء میں شعری متون (Texts) کی نزاکتوں کا ادراک پیدا ہو، نعت خوانوں میں انتخابِ کلام کا شعور عام ہو............اور اسکالرز کے ذریعے موضوع کے نئے آفاق مسخر ہوتے رہیں! کیوں کہ بقول اقبالؔ

ع ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا!

عزیز احسن

ہفتہ: ۴؍ شوال ۱۴۴۰ھ مطابق: ۸؍ جون ۲۰۱۹ء

A-12، بلاک 13،

گلستانِ جوہر،

کراچی: 75290

سیل: 0333-5567941

E:mail: abdulazizkhan49@gmail.c

بابِ اول:

قرآنِ پاک میں شعراء کی راست سمتی کے لیے رہنمائی

شاعری وہبی صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے انسان کو کوئی صلاحیت بے وجہ عطا نہیں ہوئی۔ اس لیے شاعری بھی اپنے وجود کے لیے جواز چاہتی ہے۔ اس جواز کی تفصیل جاننے کے لیے ہمیں انسان کا مقصدِ تخلیق جاننا ہوگا۔ انسان کا مقصدِ تخلیق بلا شبہ صرف اور صرف اس کا خالق ہی بتا سکتا ہے۔ چناں چہ ہمیں خالق سے دریافت کرنا ہوگا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟......اس مرحلے پر ہمیں قرآن کریم کی رہنمائی ملتی ہے:

"وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" O

اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن وانس کو مگر محض اس غرض سے کہ میری عبادت کریں۔(۱)

تفسیرِ مظہری میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ

''حضرت علیؓ نے آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا ہے ''میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا، مگر صرف اس لیے کہ ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں۔ یعنی اپنے احکامات کا مکلّف بناؤں۔ اسی مفہوم کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے 'وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّالِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّا حِدً ا'[سورۂ توبہ، آیت ۳۱]'یعنی ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔(۲)

تفسیرِ مظہری میں اس آیت کی تشریح کے ساتھ ایک حدیث بھی درج ہے:

''حدیث مبارک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''كُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ'' ہر ایک کے لیے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے (یعنی اس کام کی توفیق دی جاتی ہے) جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے''۔(۳)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی تفہیم میں، اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''عبادت کا لفظ اس آیت میں محض نماز روزے اور اسی نوعیت کی دوسری عبادات کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے......اس کا پورا مفہوم یہ ہے جن اور انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش،

اطاعت، فرمانبرداری اور نیازمندی کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں''۔(۴)

قرآن کی درجِ بالا آیت اور تفسیری حاشیوں کے مطالعے سے درج ذیل نکات اخذ کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ عبادت، صرف روزہ نماز، حج، زکوٰۃ ہی کا نام نہیں ہے۔ ۲۔ انسان (اور جن) کی پوری زندگی اگر اللہ کی اطاعت میں صرف ہو تو وہ عبادت ہے۔ ۳۔ عبادت (یعنی خالق کے منشاء کے مطابق کام کرنے) کے لیے صلاحیت، خود خالق نے مخلوق میں رکھ دی ہے۔ ۴۔ انسان (اور جن) میں اطاعت اور نافرمانی کی استعداد رکھی گئی ہے۔ ۵۔ انسان (اور جن) سے شعوری طور پر اپنی صلاحیتوں کا ایسا استعمال مطلوب ہے جو خالق کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ ۶۔ انسان (اور جن) سے اللہ کی اطاعت اختیار کرنے کا مطالبہ بھی جبر پر مبنی نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا ا لْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا ۢ بَصِیْرًا O اِنَّا هَدَیْنٰهُ ا لسَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا'' O بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ امتحان لیں اس کا اس لیے بنایا ہے ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا[۲] ہم نے دکھا دیا ہے اسے راستہ اب چاہے (بن جائے) شکر کرنے والا یا کفر کرنے والا[۳](۵)

یہی بات بڑے واضح انداز میں سورۂ الکھف میں بھی فرمادی گئی ہے:

''وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ''

''اور کہہ دیجیے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے سو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے''(۵، الف)

منشائے تخلیقِ انسانی، مقصدِ زندگی اور ایمان یا کفر کے اختیار کرنے کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ رب العزت نے فرمادیا کہ موت اور زندگی اس بات کی آزمائش ہے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ[۲]

وہ ذات جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ آزمائش کرے تمہاری کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا

ہے عمل میں۔(۶)

شاعر چوں کہ پہلے انسان ہے لہٰذا اسے خسران سے بچنے کا نسخہ پہلے جاننا چاہیے جو سورۃ العصر میں واضح کر دیا گیا ہے:

''وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ o

''قسم ہے زمانے کی[۱] یقیناً، انسان خسارے میں ہے[۲] سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور کرتے رہے نیک عمل اور نصیحت کرتے رہے ایک دوسرے کو حق کی اور تلقین کرتے رہے ایک دوسرے کو صبر کی۔(۷)

درج بالا آیات میں پوری نوع انسانی کو خسارے میں دکھایا گیا ہے۔استثنا صرف چار کام کرنے والوں کا ہے۔یعنی جو لوگ[۱] ایمان قبول کریں[۲] ایمان کی روشنی ظاہر کرنے کے لیے اعمالِ صالحہ اختیار کریں[۳] حق یعنی دین کی طرف لوگوں کو بلائیں اور[۴] ایمان اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہیں۔

دراصل حق کی ترویج و اشاعت ہی مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے۔شاعر کو چوں کہ خصوصی صلاحیتوں سے نوازا جاتا ہے اس لیے اس پر حق کے پرچار کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔عہدِ رسالت مآب ﷺ میں عرب دنیا میں پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ شعر تھا۔اسی لیے حضورِ انور جناب رسالت مآب ﷺ نے شعراء کو دین کی اچھائیاں ظاہر کرنے اور مخالفین کے ذاتِ نبوی پر رکیک حملوں کے جواب کے لیے ابھارا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔یہاں ہم ''حق اور صبر'' کی تلقین کرنے والے فرد کے حوالے سے پیر محمد کرم شاہ الازہری کی نگارش کا اقتباس پیش کرنا چاہتے ہیں:

''اسے چراغ کون کہے گا جو اپنے ماحول کی تاریکیوں کو مٹا کر نہ رکھ دے، وہ دریا ہی کیا ہوا جو صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو سیراب کر کے رشکِ فردوس نہ بنا دے۔اس لیے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہء اثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالا دستی قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش

کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کو قبول کرنے والے اس راہ کی صعوبتوں کو جوانمردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کر لیں۔یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کو صبر و استقامت کا درس دیتے رہیں''۔(۸)

دنیائے آب و گل میں رہتے ہوئے خسارے سے بچنے کے لیے بنی نوعِ انسان کو جن الفاظ میں چار نکاتی پروگرام عطا کیا گیا ہے۔تقریباً اسی لہجے اور انہی الفاظ میں شعراء سے خطاب فرمایا گیا ہے۔سورۂ شعراء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ O اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ O وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ O اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْ م بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ o

O اور رہے شعراء تو چلا کرتے ہیں ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ O کیا نہیں دیکھتے ہو تم کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں O اور بلا شبہ وہ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں O مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک عمل اور ذکر کیا اللہ کا کثرت سے اور بدلہ لیا انہوں نے اس کے بعد کہ زیادتی کی گئی ان پر اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان لوگوں کو جنھوں نے زیادتی کی کہ کس انجام سے وہ دوچار ہوتے ہیں''۔(۹)

سورۃ العصر میں تمام بنی نوعِ انسان کو خسارے میں بتایا تھا اس کے بعد چار شرطوں کے پورا کرنے والے انسانوں کو خسارے سے محفوظ فرمایا گیا تھا۔بعینہٖ اسی طرح شعراء کی پوری برادری کو ایسا ظاہر کیا گیا جس کے پیچھے چلنے والے لوگ سب گمراہ ہیں اور شعراء بدرجہء اولیٰ گمراہ ہیں۔پھر سورۃ العصر کا اسلوب برقرار رکھتے ہوئے ایسے شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا جو ایمان لا کر اعمالِ صالحہ کے عملی مظاہرے کریں۔لیکن سورۃ الشعراء میں موقع کی مناسبت سے جو تیسری شرط رکھی گئی وہ اللہ کے ذکر کی کثرت ہے کیوں کہ شعراء اپنے کلام میں جس قدر بھی اللہ کا ذکر کریں گے، وہ دین کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنے گا۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے تفسیری حاشیے میں ''وَ ذَكَرُ ا اللّٰهَ كَثِیْرًا'' کی تشریح میں ''فی الشعر'' کے الفاظ ہی لکھے ہیں۔(۱۰)۔چوتھی شرط یہ لگائی کہ دنیائے کفر کی جانب سے جو ہرزہ سرائی

اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے حوالے سے کی جائے، اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ ابوالاعلیٰ مودودی نے ظلم کے لیے بدلہ لینے کے ذکر سے مملو آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا''۔(۱۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ بدلہ لیتے وقت بھی اعتدال پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں بھی مبالغہ آمیز جواب کی راہ مسدود کر دی گئی ہے۔

سورۃ العصر کا خطاب پوری بنی نوعِ انسان سے تھا اور سورۃ الشعراء کی مذکورہ آیات میں شاعروں کی پوری برادری کو مخاطب کیا گیا ہے۔ دونوں مواقع پر اسلوب کی یکسانیت، اس بات کی غماز ہے کہ ایمان، اعمالِ صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی جو اہمیت بنی نوعِ انسان کے لیے ہے۔ انسانی معاشرے کے لیے ''شاعروں'' کے افعال (ان کی تخلیق [شعر] اور ان کے اعمال) کی اہمیت ویسی ہی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں متعدد بار اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی، حضور محمد مصطفےٰ ﷺ شاعر نہیں ہیں۔ سورۂ یٰسین میں تو صاف صاف فرما دیا کہ فنِ شعر نبی ﷺ کے شایانِ شان ہی نہیں ہے اس لیے انہیں یہ فن نہیں سکھایا گیا۔

''وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط''

''اور نہیں سکھائی ہم نے اس نبی ﷺ کو شاعری اور نہیں تھی اس کے شایانِ شان یہ چیز''(۱۲)

نبی علیہ السلام کے لیے علمِ شعر کی نفی کا صاف مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ہر بات یقینی ہے جبکہ شعر میں تخیل کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ (نبی علیہ السلام کو شاعری سکھائی جانے کی نفی میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ جس کو بھی شعر گوئی کی صلاحیت ملی ہے وہ اللہ کی عطا ہے، اس لیے اس کا استعمال بھی اللہ کی مرضی کے تابع ہونا چاہیے) تخیل چاہے کتنا ہی راہِ راست پر کیوں نہ چلے ''وحی'' کے ذریعے عطا کیے جانے والے علم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ جو قطعیت اور یقین کی کیفیت، وحی کے ذریعے

عطا کیے جانے والے علم میں ہوتی ہے وہ انسانی کوشش سے لکھی جانے والی کسی تحریر میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود وحیِ ربانی کے تحت حاصل ہونے والی ہدایت اور اتباعِ نبوی میں عمل کی راست سمتی، جس کو بھی حاصل ہو جائے، وہ عام انسان بھی اللہ کا پسندیدہ بن جاتا ہے اور اگر وہ شاعر ہو تو اس کے مراتب اور بلند ہو جاتے ہیں۔ احادیث کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ شعراء کے لیے اللہ کے نبی جناب رسالت مآب ﷺ سے تخاطب کا اسلوب اختیا کرنے کے حوالے سے قرآنِ کریم میں کیا احکامات ملتے ہیں؟...... اس ضمن میں ہمیں امت کے عام لوگوں کے لیے جو اصول قرآنِ کریم میں ملتے ہیں انہی کا اطلاق شعراء پر بھی کرنا ہوگا۔ کیوں کہ شاعر پہلے رسول ﷺ کا امتی ہے اور بعد میں اپنے فنِ شعر کا مظاہرہ کرنے والا نظم گو ہے۔ محمد اکرم اعوان نے ''اسرار التنزیل'' میں بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''شاعر محض خیالی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں جبکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ نہ کرتے ہیں اور نہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ سوائے ان شاعروں کے جو ایمان سے مالا مال ہوئے اور نیک اعمال اپنائے یعنی شعروں میں بھی نیکی، اللہ کی تعریف اور رسول اللہ ﷺ کی نعت اور اطاعت کی بات کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں، قلبی، عملی اور زبانی ہر طرح سے کہ ان کا شعر بھی اللہ کی یاد دلاتا ہے اور کفار کے مقابلہ میں ظلم کا جواب دینے کے لیے جنہوں نے شعر کہے یہ ان کا حق تھا کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ لہٰذا آپؐ کے متبع تو دنیا کے مثالی انسان ہیں''۔(۱۳)

لفظ راعنا کے استعمال کی ممانعت

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط''

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، راعنا نہ کہا کرو، بلکہ اُنْظُرْنَا کہو، اور توجہ سے بات کو سنو!(۱۴)

ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم میں لکھا ہے:

''جب آنحضرت ﷺ کی گفتگو کے دوران میں یہودیوں کو کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھہریے، ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجیے، تو وہ راعنا کہتے تھے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری رعایت کیجیے یا ہماری بات سن لیجیے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے۔ مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا، جس کے معنی تھے ''سُن، تو بہرا ہو جائے''۔ اور خود عربی میں اس کے معنی صاحبِ رعونت اور جاہل و احمق کے بھی تھے۔ اور گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بھی بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو، تو ہم تمہاری سنیں۔ اور ذرا زبان لچکا دے کر راعینا بھی بنا لیا جاتا تھا، جس کے معنی ''اے ہمارے چرواہے'' کے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرو اور اس کے بجائے انظرنا کہا کرو۔ یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیے یا ذرا ہمیں سمجھ لینے دیجیے۔ پھر فرمایا کہ ''توجہ سے بات کو سنو''، یعنی یہودیوں کو تو بار بار یہ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ نبی کی بات پر توجہ نہیں کرتے اور ان کی تقریر کے دوران میں وہ اپنے ہی خیالات میں الجھے رہتے ہیں، مگر تمہیں غور سے نبی کی باتیں سننی چاہئیں تا کہ یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے''۔ (۱۵)

یہاں اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے کہ مسلمان اور وہ بھی اصحاب رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، کبھی اور کسی صورت میں بھی اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے لیے کوئی ایسا لفظ نہیں بول سکتے تھے جس میں آپ ﷺ کی ذات کے لیے ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ راعنا، کے لفظ میں یقیناً اچھے معنی بھی تھے یعنی ''ہماری رعایت فرمائیے یا ہماری بات بھی سماعت فرمالیجیے''۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ اللہ رب العزت مسلمانوں کے دلوں کا حال بھی جانتا تھا کہ وہ لوگ کبھی بھی اپنے نبی ﷺ کی توہین کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتے۔ ایسی صورت میں صرف یہ حکم دینا شاید کافی ہوتا کہ یہودی اس لفظ ''راعنا'' میں ذم کے پہلو تلاش کرتے ہیں، اے ایمان والو! تم اس لفظ کے استعمال میں محتاط رہنا!...... لیکن ایسا کرنے کے بجائے اس لفظ ہی کو اسلامی لغت سے خارج کر دینے کا حکم آیا۔ اس کے بجائے ''انظرنا'' کا لفظ رائج کیا گیا جو ہر طرح اچھے معانی کا حامل تھا۔

سورۃ البقرۃ کی درجِ بالا آیت میں آنے والی ممانعت سے ظاہر ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے رسول جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے!...... اس موقع پر مجھے سورۃ الحجر کی ایک آیت یاد آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط علیہ السلام کے ذکر میں ان کی بدمستی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیارے نبی حضور ختمی مرتبت ﷺ کو ''قسم'' کھا کر یہ واقعہ سنایا۔ اور قسم بھی ''حضورِ اکرم ﷺ'' کی جان کی کھائی۔ فرمایا:

''لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ○

''قسم ہے تمہاری جان کی (اے نبیؐ) بے شک وہ اس وقت اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے''۔ (۱۶)

اسی حوالے سے غالبؔ نے شعر کہا تھا:

ہر کس قسم بدآنچہ عزیز است می خورد　　　سوگند کردگار بجانِ محمدؐ است (۱۷)

(ہر کوئی اس چیز کی قسم کھاتا ہے جو اسے عزیز ہوتی ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی جان کی قسم کھاتا ہے)

نبی علیہ السلام سے مُخَاطَبَتْ کے آداب

سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات میں اللہ رب العزت نے ایمان لانے والوں سے خطاب فرمایا ہے اور انہیں اپنے نبی حضور علیہ السلام سے مُخَاطَبَتْ کے آداب سکھائے ہیں:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ○

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر نبی کی آواز کے اور نہ اونچی کرو اپنی آواز اس کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں بولتے ہو تم ایک دوسرے سے، کہیں ایسا نہ ہو کہ

غارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو O بلاشبہ وہ لوگ جو پست رکھتے ہیں اپنی آواز رسول اللہ کے حضور، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے تقویٰ کے لیے ان کے لیے ہے مغفرت اور اجرِ عظیم‘‘

...... اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ O

درحقیقت وہ لوگ جو پکارتے ہیں تمہیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔(۱۸)

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

’’اس آیت طیبہ میں بھی بارگاہِ رسالت کے آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے...... بتایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں وہاں شرفِ باریابی نصیب ہو اور ہم کلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو یہ خیال رہے کہ تمہاری آواز میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے۔ جب حاضر ہو تو ادب و احترام کی تصویر بن کر حاضری دو۔ اگر اس سلسلہ میں تم نے ذرا سی غفلت برتی اور بے پروائی سے کام لیا تو سارے اعمالِ حسنہ ہجرت، جہاد، عبادات وغیرہ تمام کے تمام اکارت ہو جائیں گے۔ پہلی آیت میں بھی **یا یھا الذین اٰمنوا** سے خطاب ہو چکا تھا۔ یہاں خطاب کی چنداں ضرورت نہ تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیشِ نظر دوبارہ اہلِ ایمان کو **یا یھا الذین اٰمنوا** سے خطاب کیا۔ انہیں جھنجھوڑا اور بتایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس پر زندگی بھر کی طاعتوں، نیکیوں اور حسنات کے مقبول و نامقبول ہونے کا انحصار ہے‘‘۔(۱۹)

حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر اب بھی اپنی آواز پست رکھنے کا حکم برقرار ہے۔ عام زندگی میں حکمِ قرآن اور حکم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرا سی بھی سرتابی، ایسی ہی ہوگی جیسے حضورِ اکرم ﷺ کی موجودگی میں اپنی آواز کا بلند کرنا۔ چناں چہ یہ لازمی ہے کہ قرآن و حدیث کا واضح حکم پا کر کوئی مسلمان اپنی رائے نہ دے۔

شعراء کا ہر شعر مُخَاطَبَت کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے تصور میں کائنات کی صامت اشیاء سے بھی مخاطبت کے عادی ہوتے ہیں۔ اپنے مجازی محبوب کو بھی اس کی غیر موجودگی میں موجود تصور کر کے ہی شاعری کرتے ہیں۔ اس لیے حضورنبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں نعت لکھتے ہوئے ان کا

نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے! ڈاکٹر عزیز احسن

یہ تصور کہ وہ خود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہیں، بڑا قوی ہونا چاہیے۔ ایسی صورت میں ان کا مخاطبہ، اپنے آقا ﷺ سے کس نوعیت کا ہونا چاہیے اس کا انہیں ہر لفظ لکھتے ہوئے خیال رکھنا پڑے گا۔ غرضیکہ قرآن کریم کی درجِ بالا آیات اور ان کی تفسیر سے شعراء کو نعت کے لیے آداب سیکھنے چاہئیں۔

حکم ’’صلوٰۃ علی النبی ﷺ‘‘

قرآنِ کریم میں صلوٰۃ علی النّبی ﷺ کا حکم ’’نعت‘‘ نگاری کے حوالے سے اہم ترین حکم ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمایا ہے کہ:

’’اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O

’’بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو ان پر اور خوب سلام بھیجا کرو۔(۲۰)

قرآن کریم کی درجِ بالا آیت سے قبل بھی ایک آیت میں ’’یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ‘‘ کے الفاظ آئے ہیں، ذرا ان کا ذکر ہو جائے۔ سورۂ احزاب ہی کی آیت نمبر ۴۳ میں ہے:

’’هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا O

’’وہی ہے جو رحمت فرماتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ نکال لائے تم کو تاریکیوں سے روشنی میں اور ہے وہ مومنوں پر بہت مہربان‘‘۔(۲۱)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿**هو الذی یصلی علیکم**﴾ کے معانی لکھے ہیں ’’**یغفر لکم**‘‘ اور ﴿**و ملائکتہ**﴾ کے معانی لکھے ہیں ’’**یستغفرون لکم**‘‘۔(۲۲) ان الفاظ کی تفسیر میں شاہ محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی نے لکھا:

’’وہ اللہ تم پر اپنی رحمت اتارتا ہے، تم کو بخشتا ہے، اس کے فرشتے تمہارے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں‘‘۔(۲۳)

اب اس حکمِ الٰہی کو سمجھنے کے لیے تفسیر سے رجوع کرتے ہیں جو صلوٰۃ علی النبی کے حوالے سے سورہ اُحزاب کی محولہ بالا آیت ۵۶ میں آیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

’’اس آیت کریمہ کی جلالتِ شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے پہلے اس کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آیتِ کریمہ میں فعل صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں۔[۱] اللہ تعالیٰ[۲] فرشتے[۳] اہل اسلام۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف کرتا ہے۔ **فھی منہ عزوجل ثناء ہ علیہ عندالملائکہ و تعظیمہ.[رواہ بخاری عن ابی العالیہ]**۔ علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **و تعظیمہ تعالیٰ ایاہ فی الدنیا باعلاء ذکرہ و اظھار دینہ و ابقاء العمل بشریعتہٖ و فی الآخرۃ تبشفیعہٖ فی امتہٖ و اجزال اجرہ و مثوبتہٖ و ابداء فضلہٖ للاولین بالمقام المحمود و تقدیمہٗ علٰے کآفۃ المقربین بالشھود**‘‘۔

(ترجمہ) اللہ تعالےٰ کے درود بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کرکے، اس کے دین کو غلبہ دے کر اور اس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کے اس دنیا میں حضور کی عزت وشان بڑھاتا ہے اور روزِ محشر امت کے لیے حضور کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجروثواب عطا کر کے اور مقامِ محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین کے لیے حضور کی بزرگی کو نمایاں کر کے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرماتا ہے۔ اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنیٰ دعا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ میں ان اللہ و ملائکتہ' الخ میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے اور فعلیہ تجدد و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہردم، ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے۔ اسی

طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں...... تو اے اہلِ ایمان تم بھی میرے محبوب کی رفعت شان کے لیے دعا مانگا کرو...... اس آیت میں ہمیں بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے‘‘۔(۲۴)

قرآنِ کریم فرقانِ حمید کی زیرِ مطالعہ آیت کے تحت اگر ہم حضور علیہ السلام کی رفعتِ شان کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کا اعلانِ ربانی سامنے رکھیں تو بات اور واضح، صاف اور اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک‘‘ O اور بلند کر دیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا ذکر (۲۵)

اس سورہ کے تفسیری حاشیے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

’’پھر آیت آئی کہ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند نہیں کیا اور اس کو شائع نہیں کیا، ہم نے اپنے نام کے ساتھ آپ کے ناموں کو ملا کر اذان و اقامت و دعا و کلمہ شہادت میں ذکر نہیں کیا کہ جب ہمارا ذکر ہو تو آپ کا ذکر بھی ساتھ ہی ہو؟ حضور ﷺ نے اقرار کیا اور کہا: نعم [ہاں]‘‘۔(۲۶)

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کی شہادت ہر زمانے میں ملتی رہی ہے۔ اذان، اقامت، دعا و کلمہء شہادت کے علاوہ انسانی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم فرمایا کہ امت کا ہر فرد زیادہ سے زیادہ حضورِ اکرم ﷺ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہتا ہے۔ شعراء کو تو خصوصی طور پر یہ وصف عطا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر محبت بھرے تخلیقی لہجے میں کرتے رہیں۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃُ والتّسلیم کی عظمت کے گُن گاتے رہتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

حق بات کہنے کا حکم

قرآنِ پاک میں فرمایا گیا:

’’**یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا** o اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو...... یعنی اللہ کو جو بات ناپسند ہے، اس سے پرہیز کرو، ایذاءِ رسول کا ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے سدیدًا کا ترجمہ کیا ہے ’’صحیح بات‘‘۔ قتادہ نے کہا: انصاف کی بات۔ بعض نے کہا: سیدھی بات۔ کچھ لوگوں نے کہا: حق تک پہنچنے کا قصد رکھنے والی بات۔ تمام اقوال کا

نتیجہ ایک ہی ہے یعنی سچی بات جو قطعاً جھوٹ نہ ہو اور نہ اٹکل پر مبنی ہو۔ کیوں کہ جھوٹ فنا ہو جاتا ہے اور سچ باقی رہتا ہے''۔(۲۷)

کام میں نفاست کا حکم

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں خبر دی:

''وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ O اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّ رْ فِى السَّرْدِ...

''اور ہم نے ان [داؤدؑ] کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔لوہا آپ کے ہاتھ میں موم یا گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا تھا۔جس طرح چاہتے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو موڑ دیتے تھے......[ہم نے ان کو حکم دیا] کہ ایسی کشادہ پوری لمبی زرہیں بناؤ جو زمین میں گھسٹتی چلیں اور [کڑیوں کے جوڑنے میں] اندازہ رکھو۔[سرد۔کھال کو سینا، مجازاً مراد ہے زرہ بننا، یعنی زرہ کی بناوٹ میں ایک خاص انداز رکھو، کڑیاں اور کیلیں خاص تناسب کے ساتھ بناؤ۔ نہ اتنی پتلی کہ پھٹ جائیں، نہ اتنی موٹی کہ کڑیاں ٹوٹ جائیں''۔(۲۸)

یہاں اس بات کا احساس دلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو زرہ بنانا سکھایا تھا تو اس کام میں نفاست پیدا کرنے کی تعلیم بھی دی تھی۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے یہ نکتہ بیان کیا ہے:

''جو کام کرو بڑے سلیقے اور ہنرمندی سے کرو، جو چیز بناؤ اس میں پختگی اور نفاست دونوں کا پورا پورا خیال رکھو۔ بے دلی اور بے احتیاطی سے کوئی کام کرنا مسلمان کو زیبا نہیں''۔(۲۹)

اللہ تعالیٰ کی صنعت میں کوئی کجی نہیں ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اَلَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ O ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌO''

''وہ ذات جس نے بنائے سات آسمان تہہ بہ تہہ نہ دیکھو گے تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بے ربطی۔ ذرا

آنکھ اٹھا کر دیکھو بھلا نظر آتا ہے تم کو کوئی خلل؟O پھر دوڑاؤ نظر بار بار پلٹ آئے گی تمہاری طرف نگاہ تھک کر اور وہ نامراد ہوگی (خلل کی تلاش میں)(۳۰)

کلام اللہ کی ان آیات سے شاعر اپنے کلام کو آراستہ کرنے کا درس لے سکتا ہے۔ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ زرہ جیسی مادی شے کے بنانے میں سلیقے اور معیار کو برقرار رکھنے کا حکم دے رہا ہے تو غیر مادی اور آفاقی قدروں کے ہنر ''شاعری'' میں نہ تو فکری کجی پسند فرمائے گا اور نہ ہی بیان میں جھول کو سند قبول سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو بھی جبلتاً گھونسلے بنانا سکھایا ہے اور بعض پرندے بڑی نفاست سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں۔ شاعر کو جو صلاحیتِ شعر گوئی ودیعت کی گئی ہے اور جو شعور عطا کیا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ بھی اپنی تخلیق کو سنوارے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کی داد لینے کے لیے اس میں کجی کی نفی نہیں فرمائی ہے بلکہ انسان کو اپنی بے داغ تخلیقات کی طرف اس لیے متوجہ کیا ہے کہ وہ غور و فکر سے کام لے۔ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، اس لیے انسانی کوشش سے وجود میں آنے والی اشیاء اور لطیف تخلیقات میں بھی حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم کی جو آیات ہم نے حوالے کے طور پر اوپر نقل کی ہیں ان سے حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت کے اظہار کے ساتھ ساتھ امت کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی میں شامل ہونے کی ترغیب بھی ملتی ہے اور شعراء کے لیے رہنمائی بھی کہ کس طرح حضورِ اکرم ﷺ کی مدحت میں زبان کھولیں اور کس طرح آپ ﷺ کی بارگاہ میں اپنا نذرانۂ عقیدت و محبت پیش کریں۔ کس طرح آپ ﷺ سے مخاطب ہوں؟ علاوہ ازیں تخلیق کے معیار کے اشارے بھی آیاتِ الٰہیہ سے متبادر ہیں۔

ان آیاتِ قرآنی میں معانی کا ایک جہان آباد ہے۔ ہر آیت کا ہر لفظ اپنی تشریحات کے لیے عمرِ خضر کا متقاضی ہے۔ پورا قرآنِ کریم ہی حضورِ اکرم کی شان کے بیان سے مملو ہے......ع ہمہ قرآن در شانِ محمد (ﷺ)، اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کی ہر آیت انسان کو تعلیم جمال دینے کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اختصاراً شعراء اور ناقدینِ شعر کے لیے نعت کے متن کی تحسین اور پرکھ کے لیے چند آیات کا حوالہ دے کر سمت نمائی کا فریضہ انجام دینے کی سعی کی ہے، اور بس۔

احادیث میں شعری تحسین کے نمونے اوران کا متنی جائزہ

قرآنِ کریم میں شعروشاعری اورشعراء کے لیے حزم واحتیاط کے جو اصول لفظوں میں بیان کیے گئے ہیں، اللہ کے نبی جنابِ رسالت مآب ﷺ نے عملی طور پر ان اصولوں کی نگہداری کا مظاہرہ فرما کر دنیائے اسلام میں شعروشاعری کے آفاقی قدروں (values) کو نقش کالحجر کر دیا ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے اپنی پسند اور ناپسندیدگی ظاہر فرما کر شعر کا معیار قائم فرما دیا۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ جب سورۂ شعراء کی آیات (وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ......الخ) نازل ہوئیں تو ان میں استثنائی آیات نہیں تھیں، اس پر عبداللہ بن رواحہؓ، کعبؓ بن مالک اور حسانؓ بن ثابت، حضورِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے:

''یا رسول اللہ! اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں، اب ہم تو غارت ہوگئے۔ اس پر اللہ نے آیت ''اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......الخ
نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں''۔(۳۱)

امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف میں کچھ احادیث ''بَابُ الْبَيَانِ وَالشِّعْرِ''(بیان اور شعر کا بیان) کے تحت جمع کی ہیں۔ ہم کچھ احادیث یہاں نقل کرتے ہیں:

۱ .''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (رواه البخاری)
۲ .وَعَنْ اُبَىّ بْنِ كَعْبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً(مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ)......۳.وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا (رواه مسلم)......۴.قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَكَاَنَّمَا تَرْمُوْنَهُمْ بِهٖ نَضْحَ النَّبَلِ .(رواه فی شرح السنة)

۱۔''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض بیان سحر ہوتا ہے''۔۲۔ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔۳۔ابن مسعودؓ

سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہوگئے یہ کلمات تین مرتبہ فرمائے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔۴۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن شخص کفار کے ساتھ اپنی تلوار اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم کفار کو شعر اس طرح مارتے ہو جس طرح تیر مارا جاتا ہے۔(روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں)(۳۲)

درجِ بالا احادیث میں پہلی حدیث، بعض اشعار میں حکمت کے عنصر کی موجودگی ظاہر کرتی ہے۔اس حدیث مبارک کو اگر ہم قرآنِ کریم کی ایک آیت سے ملا کر پڑھیں تو بات اور روشن ہو جاتی ہے:

''وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ''

''اور جسے مل گئی حکمت سو در حقیقت مل گئی اسے خیرِ کثیر''۔(۳۳)

اب اس حدیث میں بیان کردہ حقیقت اور واضح ہوگئی۔ حضورِ اکرم ہی نے ایک اور مقام پر فرمایا:

''اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنُ، حَيْثُ مَا وَجَدَهَا فَهُوَا حَقٌّ بِهَا ''(راه ابنِ ماجه)

''کلمہء حکمت تو مومن کی متاعِ گم شدہ ہے جہاں سے بھی اسے ملے وہ اس کا بہتر حقدار ہے''۔(۳۴)

اس سے ظاہر ہوا کہ حکمت کی باتیں غیر مسلموں کے ہاں بھی مل سکتی ہیں۔ یہ الگ بات کہ حکمت سے آگاہ ہونے کے باوجود غیر مسلموں نے سب سے بڑی حکمت ''الٰہِ واحد کی پہچان'' تک رسائی حاصل نہ کی......حکمت کی باتوں کی شعروں میں موجودگی کو جنابِ رسالت مآب محمد مصطفےٰ ﷺ نے بھی سراہا ہے۔ اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ بلوغ الارب میں لکھا ہے کہ عنترۃ بن شداد العبسی کے اشعار، حضورِ اکرم نے سماعت فرما کر اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ عنترۃ بن شداد العبسی کے اشعار درجِ ذیل ہیں:

بَکَرَتْ تُخَوِّ فُنِیُ الْمَنُوْنَ کَاَنَّنِی
اَصْبَحْتُ عَنْ غَرَضِ الْمَنُوْنِ بِمِعْزِلِ
فَاَ جَبْتُھَا اِنَّ الْمَنِیَّةَ مَنْھَل
لَا بُدَّ اَنْ اُسْقٰی بِکَاسِ الْمَنْھَل
فَاقْنِیْ حَیَا ءَ کِ لَا اَبَا لَکِ وَاعْلَمِیْ
اِنِّیْ ا مْرُؤٌ سَاَ مُوْ تُ اِنْ لَمْ اُقْتَلِ

''اس نے جلدی سے مجھے موت سے ڈرایا جیسا کہ میں موت کے نشانے سے ہٹ کر ایک طرف ہوگیا ہوں۔ میں نے اسے جواب دیا کہ موت تو ایک گھاٹ ہے (جہاں سب کو وارد ہونا ہے) مجھے بھی ضرور اس گھاٹ کا پیالہ پلایا جائے گا۔ تمھارا باپ مرے۔ حیا کرو اور یہ جان لو کہ اگر میں قتل نہ بھی ہوا تو جب بھی عنقریب مر جاؤں گا۔

اور جب اس کا یہ شعر پڑھا گیا:

وَلَقَدْ اَبِیْتُ عَلَی الطَّوٰی وَاَظَلُّهٗ
حَتّٰی اَنَالَ بِهٖ کَرِیْمَ الْمَا کَل

میں دن بھر بھوکوں گزار لیتا ہوں اور رات بھی، کھاتا اس وقت ہوں جب عزت کی روٹی ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کوئی بدوی نہیں ہے جس کے اوصاف میرے سامنے بیان کیے گئے ہوں اور مجھے اس کے دیکھنے کی خواہش ہوئی ہو، سوا عنترۃ کے'' (۳۵)

عنترۃ کے آخری شعر میں حلال رزق اور عزت کی روٹی کمانے کی طرف جو اشارہ ہے وہ عین اسلامی تعلیم کے مطابق ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اس کے اشعار پسند بھی فرمائے اور اس کی فکر کی تعریف فرماتے ہوئے اس سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لَبِید کے شعر کی تعریف فرمائی اور اُمَیَّۃُ بْنِ اَبِیْ الصَّلْتُ کو اسلام سے قریب تر فرمایا:

''عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَة رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَا لَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : (اَصْدَقُ کَلِمَةٍ قَا

لَهَا الشَّاعِرُ کَلِمَةُ لَبِیْدٍ)اَلَا کُلِّ شَیْءٍ مَا خَلاَ ا للّٰه بَا طِلُ، وَکَادَ اُمَیَّةُ بْنُ اَبِیْ ا لصَّلَتِ اَنْ یُسَلِّمَ.

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ سچا کلام جو شاعروں نے کہا لبید کا یہ مصرع ہے...... 'حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے معدوم ہے (یعنی فنا ہونے والا ہے) اور امیہ بن ابی ا لصلت شاعر تو قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے! (۳۶)

محمود شکر آلوسی نے بلوغ الارب جلد چہارم میں امیہ بن ابی ا لصلت کے حوالے سے بتایا ہے:

''اس نے توحید اور حکمت میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور اسی کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے اشعار مومن کے سے اشعار ہیں مگر دل کافر کا سا''۔ (۳۷)

اسی امیہ بن ابی الصلت کے اشعار سننے کی حضور اکرم ﷺ نے فرمائش بھی کی:

''وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدؓ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَکَ مِنْ شِعْرِ اُمَیَّةَ بْنِ اَبِیْ الصَلَتِ شَیْیءٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِیْهِ فَاَنْشَدَتُّهٗ بَیْتًا .فَقَالَ هِیْهِ ثُمَّ اَنْشَدْ تُّهٗ بَیْتًافَقَالَ هِیْهِ حَتّٰی اَنْشَدْتُّهٗ مِائَتَه بَیْت......

''عمرو بن شرید اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہا ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا امیہ بن صلت کے اشعار تجھ کو یاد ہیں میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا پڑھو میں نے آپ کو ایک بیت سنایا۔ فرمایا اور پڑھو پھر میں نے ایک بیت پڑھا فرمایا اور پڑھو میں نے (تقریباً) سو اشعار آپ کو سنائے (روایت کیا اس کو مسلم نے) (۳۸)

صاحبِ بلوغ الارب نے امیہ بن صلت کے کچھ اشعار دیئے ہیں۔ ہم تین اشعار یہاں نقل کرتے ہیں تا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پسندیدگی کی وجہ معلوم ہو سکے۔

ءَ اَذْ کُرُ حَاجَتِیْ اَمْ قَدْ کَفَانِی
حَیَاؤُکَ؟ اِنَّ شَیْمَتَکَ الحَیَاءُ
وَعِلْمُکَ بِا لْحُقُوْقِ وَ اَنْتَ قَرْمٌ لَکَ ا لْحَسَبُ ا لْمُهَذَّ بُ و ا لسَّنَاءُ

کَرِیْمٌ لَا یُغَیِّرُہٗ صَبَاحٌ

عَنِ الْخُلُقِ الْجَمِیْلِ وَلَا مَسَاء

کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا تمھارا حیا ہی کافی ہے، کیوں کہ حیا تمھاری سرشت ہے۔تم لوگوں کے حقوق سے بخوبی واقف ہو تم عظیم المرتبہ سردار ہو، تمھارے کارنامے شائستہ ہیں، تمھیں رفعت حاصل ہے۔ یہ ایسا شریف انسان ہے جسے صبح و شام (کی گردش) اچھے اخلاق سے پھیر نہیں سکتی۔(۳۹)

ان تینوں اشعار میں اخلاقی مضامین آئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں اعلیٰ اخلاقی صفات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ غالبًا ایسے ہی اشعار سماعت فرما کر حضورِ انور ﷺ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہوگا!

حضورِ اکرم ﷺ جب خیبر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ایک صاحب عامر بن الاکوع نے حدا کے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ بتایا گیا عامر بن الاکوع تو آپؐ نے فرمایا: ''یَرْحَمُہُ اللّٰہ'' [یہ ان کی شہادت کی طرف اشارہ تھا، چناں چہ وہ خیبر میں شہید ہو گئے]۔ جو اشعار حضرت عامر بن الاکوع نے پڑھے تھے وہ بخاریؒ نے نقل کیے ہیں:

اَللّٰھُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا ا ھْتَدَیْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاغْفِرْ فِدَا ءً لَکَ مَا قُتَفَیْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قَیْنَا
وَالْقِیَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا
اِذَاصِیْح بِنَا اَتَیْنَا
وَبِا لصِّیَا حِ عَوَّ لُوا عَلَیْنَا
گر نہ ہوتی تیری رحمت اے شہ عالی صفات
تو نمازیں ہم نہ پڑھتے اور نہ دیتے ہم زکوٰۃ

تجھ پہ صدقے جب تلک دنیا میں زندہ ہم رہیں
بخش دے ہم کو لڑائی میں عطا فرما ثبات
اپنی رحمت ہم پہ نازل کر شہِ والا صفات
جب وہ ناحق چیختے سنتے نہیں ہم ان کی بات
چیخ چلا کر انہوں نے ہم سے چاہی ہے نجات (۴۰)

اسی طرح بعض مواقع پر حضورِ اکرم ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، میں سے کسی نے کچھ اشعار پڑھے اور حضور ﷺ نے سماعت فرمائے اور کبھی کبھی خود بھی کوئی شعر پڑھ دیا۔

بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ اَنَسِ ا بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ فَا صْلِحِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَة

انس بن مالکؓ [سے روایت ہے] کہ آنحضرت نے [خندق کھودتے وقت] یہ شعر پڑھا

ہے زندگی تو آخرت کی زندگی جو ہے سدا نیک کر انصار اور پردیسیوں کو اے خدا (۴۱)

ایک اور روایت خندق کھودتے ہوئے شعر پڑھنے کی اس طرح بھی ہے:

''عَنْ اَنَسِ ابْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ:کَانَتُ الْاَنْصَارُ یَوْمَ الْخَنْدَقِ تَقُوْلُ :

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَا یَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا حَیِیْنَا اَبَدًا

فَاَجَابَھُمْ:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ
فَاکْرِمِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَة

انس ابن مالکؓ [سے روایت ہے کہ] انصار خندق کے دن یہ شعر پڑھتے تھے:

اپنے پیغمبر محمدؐ سے یہ بیعت ہم نے کی

جب تلک ہے زندگی لڑتے رہیں گے ہم سدا

آنحضرت ﷺ نے ان کو یوں جواب دیا:

زندگی جو کچھ کہ ہے وہ آخرت کی زندگی
قدر کر انصار اور پردیسیوں کی اے خدا (۴۲)

علاوہ ازیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ مسجد کی تعمیر کے موقع پر بھی اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، شعر پڑھتے تھے اور حضورِ اکرم ﷺ ان کے ساتھ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ وہ شعر درجِ ذیل ہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّہُ لاَ خَیْرَ اِلَّا خَیْرَ الْآخِرَۃ
فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃ".

ترجمہ:

حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اشعار سماعت فرمائے اور پسندیدگی کے اظہار کے طور پر اپنی چادر عطا فرمائی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے ان کے ایمان لانے کا واقعہ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ پہلے پہل وہ اپنے بھائی کے ایمان لانے پر مشتعل ہو کر حضورِ اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں کچھ ہجویہ اشعار کہہ بیٹھے اور جب ان اشعار کی بنیاد پر رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے ان کا خون مباح قرار پایا تو ڈر کے انہوں نے توبہ کا ارادہ کیا اور ایک مدحیہ قصیدہ "بانت سعاد" لے کر سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی اجازت سے شعر پڑھنا شروع کیا اور جب درجِ ذیل شعر پڑھا تو حضور ﷺ نے اپنی چادر شاعر کو عطا فرمادی:

"ان الرسول لنور یستضاء بہ وصارم من سیوف الھند مسلول"

"رسول اللہ (ﷺ) ایک نور ہیں جن سے اجالا حاصل کیا جاتا ہے، اور وہ نورِ ایک مضبوط

فولاد کی بے نیام تلوار کے مانند ہے" (۴۴)

عبداللہ عباس ندوی نے فوٹ نوٹ میں لکھا ہے:

"دوسری روایت کے مطابق **"و صارم من سیوف اللہ مسلول"** (اللہ کی تلواروں سے ایک برہنہ تلوار ہے)۔ (۴۵)

لیکن مشہور یہ ہے کہ شاعر نے "سیوف الھند" کہا تھا" اور حضورِ اکرم ﷺ کی اصلاح کے بعد "سیوف اللہ" پڑھا تھا۔ اس واقعے کو علامہ اقبال نے مثنوی رموزِ بیخودی میں نظم کیا ہے:

پیشِ پیغمبرؐ چو کعبؓ پاک زاد
ہدیہء آورد از "بانت" سعاد
در ثنائش گوہرِ شب تاب سفت
سیف مسلول از "سیوف الھند" گفت
آںؐ مقامش بر تر از چرخِ بلند
نامدش نسبت باقلیمے پسند
گفت "سیف ِ من سیوف اللہ" گو
حق پرستی ، جز براہِ حق مپو

"ایک پاک فطرت حضرت کعبؓ نے حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں "بانت سعاد" کے عنوان سے قصیدہ پیش کیا۔ اس قصیدے میں گویا الفاظ کے موتی رولے تھے۔ ایک جگہ آپ ﷺ کو ہندی تلواروں میں سے برہنہ تلوار کی تشبیہ دی تو آپ ﷺ نے، جن کا رتبہ آسمانوں سے بھی بلند ہے، کسی ملک سے اپنی نسبت کو پسند نہیں فرمایا۔ انہیں اصلاح دیتے ہوئے فرمایا "سیفِ من سیوف اللہ" کہو۔ تم حق پرست ہو، سوائے حق پر چلنے کے دوسری راہ اختیار مت کرو"۔ (۴۶)

لیکن علامہ اقبال کی بیان کردہ روایت کا ذکر ہمیں "مدارج النبوت" مصنفہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، میں بھی نہیں ملا۔ انہوں نے کعب بن زہیرؓ کے شعر کا پہلا مصرع بھی مختلف لکھا

ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اس نے کہا ''اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُسْتَضَاءُ بِهٖ'' بے شک یہ رسول ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ ''مُهَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلٌ''۔ اللہ کی تلواروں میں سے تیز دھار والی وہ تلوار کاٹنے والی''۔ (۴۷)

فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑ سکتے کہ کونسی روایت زیادہ صحیح ہے؟ تاہم علامہ اقبال کی بیان کردہ روایت اس لیے مضبوط لگتی ہے کہ ایک ہی مصرع دو طرح سامنے آیا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ شاعر نے خود ہی دونوں طرح پڑھا ہو۔ ارشاد شاکر اعوان کی کتاب ''عہدِ رسالت میں نعت'' (مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۱) اور ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے مضمون ''نعت اور نقدِ نعت'' (نعت رنگ ۱۵ میں صفحہ ۱۸۳) میں حضور ﷺ کی اصلاح کا ذکر ملتا ہے، لیکن حوالہ نہیں ملتا۔ سند کا درجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، یہ روایت ہے بہت مشہور۔ فکری بلندی عطا کرنے کے حوالے سے یہ اصلاح، حضورِ اکرم ﷺ کے اعلیٰ شعری ذوق اور بے پناہ تنقیدی شعور کی غماز ہے۔ نعتیہ شاعری کی تنقید میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی یہ اصلاح ابدالآباد تک نقادوں کی رہنمائی کے لیے منارۂ نور رہے گی۔

اس کے علاوہ حضورِ اکرم ﷺ نے خود بھی بعض اشعار پڑھے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ:

'اَبَا هُرَیْرَة فِیْ قَصَصِهِ یَذْکُرُ النَّبِیُّ ﷺ یَقُوْلُ: (اِنَّ اَخَالَکُمْ لَا یَقُوْلُ: الرَّفَثَ) یَعْنِیْ بِذالِکَ ابْنُ رَوَاحَةَ قَالَ:

فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰه یَتْلُوْ کِتَابَهٗ
اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنْ الْفَجْرِ ساطِع
اَرَ انَا الْهُدَی بَعْدَ الْعَمَی فَقُلُوْ بُنَا
بِهِ مُو ُ قِنَا تٌ اَنَّ مَا قَا لَ وَاقِع
یَبِیْت ُیُجا فِیْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهِ اِذَا ا سْتَثْقَلَتْ بِا لْکَافِرِیْنَ ا لْمُضَا جِعُ(۴۸)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ حالات اور قصے بیان کرتے کرتے آنحضرت ﷺ کا ذکر

کرنے لگے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے، تمہارا بھائی (شاعر) جو بیہودہ نہیں بکتا وہ یوں کہتا ہے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو مراد لیا:

ایک پیغمبر خدا کا پڑھتا ہے اس کی کتاب اور سناتا ہے ہمیں جب صبح کی پو پھٹتی ہے ہم تو اندھے تھے اسی نے راستہ بتلا دیا بات ہے اس کی یقینی دل میں جا کر کھبتی ہے رات کو رکھتا ہے پہلو اپنے بستر سے الگ کافروں کی خواب گہہ کو نیند بھاری کر''۔

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے ہجو کے جواز کے لیے بہت پتے کی بات کی ہے:

''ہجوِ کفار تقابلی سیاست میں ایک ضرورت کے طور پر اپنی اہمیت منوا لیتی ہے کیوں کہ مدِّ مقابل کا ہر حربہ ناکام کرنا جنگ میں اپنے دفاع کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو آنحضرت ﷺ نے اس کی ترغیب دی اور شعر کو بطور دفاع استعمال کرنے پر تحسین فرمائی''۔ (۴۹)

اس سلسلے میں حضرت حسانؓ کے انتخاب اور ان کے اعزاز کے معاملات پر کچھ احادیث درجِ ذیل کی جاتی ہیں:

''عَنِ الْبَرَآءِ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰه ُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ قُرَیْظَةَ لِحَسَّانِ ابْنِ ثَابِت اُهْجُ الْمُشْرِکِیْنَ فَاِنَّ جِبْرِیْلَ مَعَک َ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِحَسَّانٍ اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْ هُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ''

''براءؓ سے روایت ہے کہ قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حسانؓ بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کہو، جبریلؑ تمہارے ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حسانؓ کے لیے فرمایا کرتے تھے میری طرف سے جواب دو۔ اے اللہ، روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرما''۔ (۵۰)

مسجد میں منبر رکھوا کر شاعری سننے کی نظیر بھی خوب ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے:

''عَنْ عَآئِشَةَ ؓ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَضَع ُ لِحَسَّانٍ مِنْبَرا فِیْ الْمَسْجِدِ یَقُوْمُ عَلَیْهِ قَائِمًا یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ یُنَافِحُ وَیَقُوْ لُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ حَسَّان َ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ حضرت حسانؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھواتے تھے وہ اس پر کھڑے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فخر کرتے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مدافعت کرتے، رسول اللہ ﷺ فرماتے جب تک حسانؓ میری طرف سے فخر یا مدافعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ، جبریلؑ کے ذریعے اس کی مدد کرتا ہے''۔(۵۱)

شاعری کے اچھے اور برے ہونے کا معیار وہی ہے جو ایمان اور اعمالِ صالحہ سے مشروط زندگی کے لیے ہے، کہ اس میں ہر وہ کام جو اللہ کی مرضی کے تابع، سنتِ رسول ﷺ کی پیروی میں اور انسانیت کی فلاح کے لیے ہے، وہ خیر ہے باقی سب شر۔ چناں چہ حضورِ اکرم ﷺ نے بڑے بلیغ انداز میں فرمادیا:

''عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ ذُکِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ھُوَ کَلَامٌ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَّ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ.......

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا نبی ﷺ کے سامنے شعر کا تذکرہ ہوا آپ ﷺ نے فرمایا ''شعر کلام ہے، اس کا اچھا، اچھا ہے، اگر کلام برا ہے وہ برا ہے۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے اور شافعی نے عروہ سے مرسل بیان کیا۔(۵۲)

درجِ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ شعر کے مافیہ (Content) سے اس کی اچھائی برائی ظاہر ہوتی ہے، محض اسلوب سے نہیں۔ اسلوب سے تو شعر خوشنما یا بدنما لگ سکتا ہے لیکن مغز تو اس کے معانی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ نے اِمرأ القیس (جس نے اسلام سے چالیس سال قبل کا زمانہ پایا تھا) کے بارے میں حسبِ ذیل رائے ظاہر فرمائی:

''اَشْعَرُ الشُّعَرَاءُ وَقَائِدُ ھُمْ اِلٰی ا لنَّا رِ'' ''یعنی وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے''۔(۵۳)

حضورِ اکرم ﷺ کے درجِ بالا تنقیدی تبصرے کے حوالے سے علامہ اقبال نے لکھا تھا:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنونِ لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع و بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن، یہ کچھ ضروری نہیں کہ دونوں ایک ہی ہوں۔ ممکن ہے شاعر بہت اچھا شعر کہے لیکن وہی شعر پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کی بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھا دے''(۵۴)

اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ نے جو عنترہ کا شعر (**ولقد ابیت علی الطویٰ و اظلہ ☆ حتیٰ انال بد کریم ُالماکل۔**

[ترجمہ] میں نے بہت سی راتیں محنت مشقت میں بسر کی ہیں تا کہ میں ا کلِ حلال کے قابل ہوسکوں) سن کر اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ علامہ اقبال نے لکھا:

''حضورِ خواجۂ دو جہاںؐ (بابی وانت وامی) نے جو اس قدر شعر کی تعریف فرمائی ہے اس سے صنعت کے ایک دوسرے بڑے اصول کی شرح ہوتی ہے کہ صنعت حیاتِ انسانی کے تابع ہے، اس پر فوقیت نہیں رکھتی''۔(۵۵)

قرآن واحادیث کے مطالعے سے جو نتائج اخذ ہوئے وہ درجِ ذیل ہیں

۱......۔اللہ رب العزت نے جو صلاحیت جس انسان کو بھی دی ہے اس صلاحیت کا استعمال اللہ کی مرضی اور منشائے تخلیق کے مطابق ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔

۲......اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کے ذریعے اچھی اور انسانی فلاح کی باتوں کو پسند فرمایا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے عملاً ایسے نظائر قائم فرمائے ہیں کہ امت کے ہر فرد کے ذہن میں کھرے کھوٹے کا معیار پیوست ہوجائے۔

۳......۔شاعری بھی اللہ کی عطا کردہ صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے، اس لیے اس کی اچھائی برائی بھی دینی معیارات کے تحت ہی طے کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے جنابِ نبیِ کریم ﷺ نے اچھی شاعری کو خود دہرایا بھی، اچھی شاعری سماعت بھی فرمائی اور اچھی شاعری پر انعام بھی عطا کیا۔ یہ اعزاز

بھی صرف اور صرف شاعر کے حصے میں آیا کہ دینی خدمت کے لیے وقف شاعری کرنے پر اسے (حضرتِ حسانؓ کو) مسجدِ نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر اپنی شاعری پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔

۴...... بری شاعری (بلحاظِ مضمون) کرنے یا اسے پڑھنے کے حوالے سے بھی حضور علیہ السلام نے دوٹوک رائے دے دی۔ کلام میں مبالغہ کرنے والوں کی ہلاکت کا پیغام بھی حدیث شریف میں دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بری شاعری کے سلسلے میں ذرا سخت الفاظ میں مذمت بھی ملتی ہے۔ مثلاً

"عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیّ رضؓ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ نُسِیْرُ مَعَ رَسُوْ لِ اللّٰہِ ﷺ بِالْعَرْجِ اِذْ عَرَضَ شَاعِرٌیُّنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خُذُوْا الشَّیْطَانَ اَوِ ا مْسِکُوْ ا لشّیْطٰنَ لَاَنْ یَّمْتَلِی ءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّمْتَلِیءَ شِعْرًا".

"ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرج مقام میں چل رہے تھے ایک شاعر شعر پڑھتا ہوا سامنے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شیطان کو پکڑو۔ آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار کے ساتھ بھرے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)(۵۶)

اس حدیث کا مطالعہ، امراءالقیس کی شاعری پر حضورِ اکرم ﷺ کے تبصرے کے ساتھ کریں تو بات اور واضح ہو جاتی ہے۔

۵...... شاعری میں حسنِ بیان اور ظاہری جمال کو بھی حضورِ اکرم ﷺ نے سراہا ہے، تبھی تو امراءالقیس کو "اشعرالشعراء" فرمایا۔

۶...... اس سے متبادر ہوا کہ شاعری میں جہاں مافیہ، نفسِ مضمون یا متن (Text) یا Content کی اہمیت ہے وہیں حسنِ بیان کی بھی اہمیت ہے۔

۷...... بیان کا زبان کے عام معیارات کے تابع ہونا، بیان کے جمالیاتی تقاضوں کو پورا کرنا

اور فن کے مروجہ معیارات کا لحاظ رکھ کر بات کرنا، باعثِ تحسین ہے۔

۸...... اچھے شعر کی شرط صرف مافیہ (Content) کا انسانی زندگی کے لیے کارآمد ہونا اور شعر میں سچائی کا پایا جانا ہے۔

قرآنِ کریم میں مقامِ رسالت مآب ﷺ کا اظہار

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت و شان خوب خوب بیان فرمائی ہے گویا کہ پورا قرآن ہی حضور ﷺ کی شان میں نازل فرمادیا ہے۔ ع: ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ

اس لیے ہم صرف چند آیات نقل کرتے ہیں تا کہ اللہ کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا ایک تصور قائم ہو سکے۔ شعراء کو اپنے اشعار میں اور شعرِ عقیدت کے پارکھ، ناقدین کو اپنے مضامین میں جنابِ رسالت مآب ﷺ کی عظمتوں کے ذکر میں قرآنِ کریم کی آیات، ہر صورت ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالمِ انسانی کے لیے داعی الی الحق بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل، کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دنیا میں تشریف لا چکے تھے لیکن وہ سب اپنی اپنی قوم، اپنے اپنے علاقے اور اپنے اپنے عہد کے لیے ہی پیغامِ ہدایت لائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان انبیائے کرام کی شریعتوں میں بعد کے زمانوں میں آنے والے انبیاء نے عصری تقاضوں کے تحت اللہ کے حکم سے تبدیلیوں کا اعلان فرمایا۔ پھر اللہ رب العزت نے ان کی لائی ہوئی شریعت کو دوام بخشنے اور عالم گیر سطح پر ان میں دیئے گئے احکامات کے عملی ہونے کا اعلان بھی نہیں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی لائی ہوئی شریعت کے آثار کو محفوظ رکھنے کا بھی کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ آج ان تمام شریعتوں کے بنیادی مآخذ یعنی کتبِ سماوی، نہ تو اپنی اصل زبان میں موجود ہیں نہ ہی اصل حالت پر قائم ہیں۔ ان میں اتنی تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں ع "کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی"

شریعتوں کی تبدیلی اور عہد بہ عہد حالات کے تقاضوں کے مطابق احکامات کی تنزیل اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کی پختگی کے لیے کچھ مراحل مقرر فرمادیئے تھے۔ جب

تک انسانی عقل وشعور کی بلوغت کے آثار نمودار نہیں ہوئے ، دیگر انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے اور وقتی ضرورتوں کے تحت انسانی معاشرے کے لیے ہدایت نامے جاری ہوتے گئے۔ لیکن جب انسانی عقل وشعور پختہ ہوگئے اور انسانی ذہن بالغ ہوگیا، اللہ رب العزت نے اپنا آخری اور غیر متبدل کلام ایک ایسی ہستی کے ذریعے عام فرمادیا جس کا ہر عمل اور ہر قول اللہ کی مرضی کے عین مطابق تھا۔ اللہ تعالیٰ کے برپا کیے ہوئے نظام میں نہ تو ایسی شخصیت ، اس دنیائے آب وگل میں پہلے مبعوث کی گئی تھی نہ ایسا پیغام بھیجا گیا تھا جس کے دوام اور استمرار (Perpetuity) کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے لیا ہو۔

اس صورت حال کے پیش نظر، قرآنِ کریم کی بعض آیات جو پیغام کے استمرار اور دوام کے لیے نازل کی گئیں اور جو انسانیت کے لیے اللہ کے پیغام کی تکمیلیت کے اعلان کے طور پر نازل کی گئیں وہ درج کی جاتی ہیں:

ا۔ پیغامِ ربانی کی حفاظت کا اعلان:

''اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ O

'' بے شک ہم نے ہی نازل کی ہے یہ کتاب نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔ (۵۷)

خالقِ کائنات نے دنیائے انسانی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے پیغمبروں کو کوئی پیغامِ ہدایت عطا فرمایا، چاہے وہ کتب کی شکل میں ہو یا کسی پچھلی شریعت کے اتباع کے احکامات کی شکل میں، وہ سب وقتی ضرورتوں کے تحت تھے، اس لیے کسی بھی صحیفہء آسمانی میں ایسی کوئی آیت نازل نہیں کی گئی کہ ہم ہی نے یہ پیغام نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ضامن ہیں۔ یہ اعزاز صرف اور صرف قرآنِ کریم کے حصے میں آیا ہے۔

۲...... پیغامِ ربانی کی تکمیلیت کا اعلان:

پیغامِ ربانی کی تکمیلیت یعنی دین کے مکمل ہونے کا اعلان بھی قرآنِ پاک کی اس آیت سے قبل عالمِ انسانیت کو دیئے جانے والے کسی صحیفے میں نہیں تھا۔

''اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ط''

'' آج مکمل کر دیا ہے میں نے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین''(۵۸)

اس آیت کی تفسیر کا مختصر ترین پیرایہ مفتی احمد یار خان نعیمی نے اختیار کیا ہے چناں چہ ہم وہی یہاں نقل کرتے ہیں:

''یعنی عقائد کا بیان، احکام کی آیات کا نزول، اجتہاد کے قوانین آج سب مکمل ہو چکے، اس کے بعد حکم کی آیت کوئی نہ آئے گی اور تمہارا دین منسوخ بھی نہ ہوگا......اس آیت سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صرف اسلام خدا کو پیارا ہے یعنی دینِ محمدی، باقی سب دین مردود۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد قیامت تک اسلام کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔ تیسرے یہ کہ اصولِ دین میں زیادتی کمی نہیں ہوسکتی۔ اجتہادی فرعی مسئلے ہمیشہ نکلتے رہیں گے اس لیے دینکم فرمایا مذھبکم نہ فرمایا۔ چوتھے یہ کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ دین کامل ہو چکا۔ سورج نکل آنے پر چراغ کی ضرورت نہیں''۔(۵۹)

دین کی تکمیل کا اعلان کرنے والی اس آیتِ قرآنی کے نزول پر یہودیوں کی یہ گواہی بھی صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہے:

''ایک مرتبہ چند علمائے یہود، حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول پر ایک جشنِ عید مناتے۔ فاروقِ اعظمؓ نے سوال کیا، وہ کونسی آیت ہے۔ انہوں نے یہی آیت۔۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** ، پڑھ دی''۔(۶۰)

یہودی علماء کی یہ گواہی بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ یا اس سے ملتی جلتی کوئی آیت، قرآنِ کریم سے قبل، کسی نبی یا رسول کے صحیفے میں نازل نہیں کی گئی تھی۔

اسلام کی طرف دعوت دینے والے رسول جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کا دائرہ پوری انسانیت کو محیط ہے:

اللہ تعالیٰ نے جہاں دینِ اسلام کے زمانی استمرار (Perpetuity) کی بات کی ہے وہیں نبیِ آخرالزماں کے دائرۂ نبوت کو تمام عالمِ انسانی تک پھیلا دینے کا واضح اعلان بھی فرمادیا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآ فَّۃً لِّلنَّا سِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا O

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر) (۶۱)

دینِ اسلام چوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے محمد مصطفیٰ ﷺ تک ایک ہی پیغام کے طور پر دنیا میں نشر ہوا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابہام سے پاک، واضح اور محکم آیات میں اسلام کے ایمانیاتی نظام میں اس بات کو داخل فرمادیا کہ جو کچھ صاحبِ قرآنِ کریم جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل کیا گیا ہے مسلمانوں کو اس پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ سے قبل دنیا میں بھیجے جانے والے انبیاء اور ان کے لائے ہوئے پیغام کو سچا جاننا اور ایمانیاتی سطح پر قبول کرنا ہے۔ بعد کے کسی زمانے میں کوئی اس قسم کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا، مردود اور کافر ٹھہرے گا۔ کیوں کہ تکمیلِ دینِ متین کے بعد نہ تو کسی نئے پیغام کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی پیغامبر کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡ مِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ

''اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا تم پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تم سے پہلے'' (۶۲)

نظامِ رسالت کی تکمیل کا اعلان ایک اور آیت مبارکہ میں بھی فرمادیا گیا:

وَلٰکِنۡ رَّ سُوۡ لَ اللّٰہِ وَ خَا تَمَ ا لنَّبِیّٖن ؕ

(بلکہ وہ [محمد ﷺ] اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) (۶۳)

اس حقیقت کو احمد ندیم قاسمی نے بڑے حسین انداز میں شعری قالب میں ڈھالا ہے:

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

نظامِ رسالت کی تکمیلیت کا تاج جس ہستی کے فرقِ مبارک پر رکھا گیا اس ہستی کو اللہ رب العزت نے تمام جہانوں کی رحمت کے لقب سے ملقب فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ O

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے) (۶۴)

درج بالا آیاتِ قرآنی میں حضور رسالت مآب ﷺ کی بعثت کے دوام اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کی لوحِ جہاں پر ہمیشگی کے اظہار کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی ذات کے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے جانے کا اعلان تھا۔ ایک ایسی ہستی جس کو اتنے اعزازات حاصل تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ رہتی دنیا تک کے لیے اس کے قول و فعل و تقریر (آپ ﷺ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ نے اس عمل کی نہ تو تحسین فرمائی اور نہ ہی مذمت، چناں چہ آپ کا سکوت ہی اس عمل کے جائز ہونے کا باعث بن گیا) کو مثالی نمونۂ عمل قرار نہ دیا جاتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

''لَقَدۡ کَا نَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡ لِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ

''یقیناً ہے تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ'' (۶۵)

حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو نمونۂ عمل بنا کر اس لیے دنیا کے سامنے پیش فرمایا گیا کہ آپ ﷺ اور صرف آپ کا قول، عمل اور تقریر ہی دینِ اسلام ہے باقی سب کفر۔ یہی وجہ ہے کہ دوٹوک الفاظ میں فرمادیا گیا کہ اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے:

''اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ قف

''بلاشبہ 'دین' اللہ کے نزدیک صرف 'اسلام' ہے''۔ (۶۶)

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اب قیامت تک دین اللہ کے علاوہ کوئی دین قابلِ قبول نہیں ہوگا اور دین اللہ کی عملی شکل بھی وہی قبول ہوگی جو اللہ کے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمائی، جس عمل کی تحسین فرمائی، ترغیب دی یا جس عمل کو کسی صحابی نے آپ ﷺ کے سامنے کیا اور آپ نے منع نہیں فرمایا یعنی سکوت اختیار فرمایا۔

قرآنِ کریم کی ان چند آیات کے معنوی سلسلے کو مربوط کر کے مطالعہ کیا جائے تو ہر ہر زاویے سے جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی دینِ اسلام کی مرکزی شخصیت بن کر ابھرتی ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے اعلان فرمادیا:

"وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ"

(اور جو کچھ دے تمھیں رسول سو، اسے لے لو اور جس سے روک دے تم کو رسول، پس رک جاؤ [اس سے])" (۶۷)

اس طرح دینِ اسلام میں، احکاماتِ الٰہیہ کی بجا آوری کے سلسلے میں ہدایت دینے کا مکمل "اختیار" صرف اور صرف نبی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے نبیِ مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کارِ رسالت کو انجام دینے کے لیے، چار نکاتی ہدف مقرر فرماتے ہوئے ہدایت پانے والوں کو اپنے اس احسان سے آگاہ فرمایا:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے"۔ (۶۸)

یعنی اللہ کا نبی ایمان والوں کو ہدایت کی شاہراہ پر لانے کے لیے، چار کام انجام دیتا ہے:
۱۔ آیاتِ ربانی پڑھ کر سنانا......۲۔ تزکیہ کرنا......۳۔ کتاب کی تعلیم دینا...... اور ۴۔ حکمت کا درس دینا۔

ان تمام موضوعات پر کتب نہ صرف موجود ہیں بلکہ قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی۔ ہمارے لیے یہاں اتنا لکھ دینا ہی کافی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت تمام انسانوں کی رہبری کے لیے ہوئی ہے، اسی لیے آپ ﷺ کو انسانوں کے سامنے قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے، امتیوں کی روحانی جلا کرنے کی غرض سے ان کا تزکیہ کرنے، انہیں کتاب کی تعلیم دینے اور کتاب میں پوشیدہ حکمتوں سے آگاہ کرنے کے لیے خصوصی طور پر ایک معلم کے فرائض سونپے گئے۔ اس تمام تعلیماتی نظام کو جاری رکھنے

کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب جنابِ نبی کریم ﷺ سے فرما دیا:

"قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ"

"تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب سے وحی ہوتی ہے"۔ (۶۹)

یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ کریم جب بنی نوعِ انسان سے خطاب فرماتے ہیں تو وہ خطاب بزبانِ نبیِ کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ہوتا ہے۔ اس لیے وحیِ ربانی کی پیروی کا ذکر بار بار کیا گیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا جاتا ہے:

"اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ"

(میں کوئی کام نہیں کرتا مگر جو بھی کرتا ہوں وہ اس وحی سے کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے) (۷۰)

سورۂ نجم میں اللہ رب العزت نے خود اعلان فرمایا:

"وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی O اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی O'

'(وہ (نبی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ ان کا ہر ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے) (۷۱)

ان وضاحتوں کے بعد یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکامات بھی نازل کیے جاتے تھے وہ اپنی اصلی صورت میں عالمِ انسانی کو پہنچانا نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذمے تھا۔ احکاماتِ الٰہیہ پہنچانے کے معاملے میں خالق اور مخلوق کے درمیان حضورِ اکرم ﷺ ہی کی ذات تھی۔ احکاماتِ ربانی کی تعمیل بھی پہلے خود حضورِ اکرم نے کر کے دکھائی یا تعمیل کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ اس ضمن میں بھی آپ کی طرف سے قرآنِ کریم کی زبان میں اعلان کروایا گیا:

"اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ O" (میں ہوں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں) (۷۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی نے تفسیری حاشیئے میں لکھا ہے:

"عموماً مفسرین "وانا اول المسلمین" کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ کے اعتبار

سے آپ اوّل المسلمین ہیں۔لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث **کنت نبیا و ادم بین الروح و الجسد** کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو بلکہ تقدم رتبی مراد ہو۔یعنی سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔شاید مترجم [محمودالحسنؒ] محقق قدس سرہٗ نے ترجمہ میں ''سب سے پہلا فرمانبردار ہوں'' کی جگہ ''سب سے پہلے فرماں بردار ہوں'' کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہو''۔(۷۳)

حضورِ اکرمﷺ سے پہلا فرمانبردار ہونے کا اعلان اس لیے کروایا گیا کہ آپﷺ کے کمالاتِ لا انتہا دیکھ کر بنی نوعِ انسان آپﷺ کو بھی غیر مسلموں کی طرح کا اوتار مان کر آپﷺ کو پوجنے نہ لگ جائیں۔ثانیاً آپ کے اس اعلان سے یہ بھی باور کرانا مقصود تھا کہ عالمِ انسانیت کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ جب تک کوئی کسی حکم پر خود عمل کر کے نہ دکھائے ، دوسرے لوگ اس حکم کی بجا آوری میں سست پڑ جاتے ہیں۔لہٰذا ایسے تمام احکامات پر حضورِ اکرمﷺ نے عمل کر کے دکھایا جن پر عملی مظاہرہ کرنا ممکن تھا۔مثلاً آپﷺ نے نظامِ صلوٰۃ قائم فرمایا اور نماز کی امامت خود فرمائی۔روزے بھی رکھے۔جہاد بھی فرمایا۔توحیدِ خالص کا اعلان بھی فرمایا۔زکوٰۃ اس لیے ادا نہیں کی کہ آپﷺ نے صاحبِ نصاب ہونا پسند ہی نہیں فرمایا۔ہاں زکوٰۃ کا نصاب تعلیم فرما دیا۔عائلی معاملات میں بھی آپ ﷺ نے عملی مثال، عالمِ انسانی کے سامنے پیش فرمادی۔حکمرانی کے طریق بھی سکھائے اور فقر کی زندگی بسر کرنے کا درس بھی عملی صورت میں دیا۔اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے تاکیداً اعلان کروایا گیا:

''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْ حٰی اِلَیَّ..''

(کہہ دیجیے میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (ہاں) مجھ پر وحی آتی ہے)(۷۴)

اس آیہء مبارکہ کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے نعیم مرادآبادی نے لکھا:

''سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر 'انا بشرٌ مثلکم' فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے لیے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈھنا

،ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے،تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے۔یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہے''۔(۷۵)

حضورِ اکرمﷺ سے قرآنِ کریم کی زبان میں بشریت کا اعلان کروانا اس لیے ناگزیر ٹھہرا کہ انسانوں کو پیروی کے لیے انسانی زندگی کا نمونہ ہی فراہم کرنا تھا۔کسی فرشتے یا جن کی پیروی انسانوں کے لیے نمونہء عمل نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے بیشتر مقامات پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے والوں کی تحسین فرمائی ہے اور ان سے اس دنیا میں اور آخرت میں اچھے''اجر'' کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ایمان اور اعمال صالحہ کا نمونہ صرف نبی اکرمﷺ کی ذاتِ والا صفات کے معمولاتِ حیات سے اخذ کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ والی زندگی بسر کرنے والے بھی اگر یہ دعویٰ کریں کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دعویٰ اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتا جب تک ان کا ہر عمل اللہ کے حبیب جناب رسولِ کریمﷺ کے عمل سے مشابہ نہ ہو جائے۔ہاں اگر ان کا دعویٰ اس کسوٹی پر کسنے سے سچا ثابت ہو جاتا ہو،تو پھر واضح اعلان کیا گیا ہے کہ خود''اللہ تعالیٰ'' ان انسانوں سے محبت کرنے لگے گا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَا تَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ

(''اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمھیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا)(۷۶)

اس آیتِ مبارکہ سے متبادر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے محبت کے لیے ایک ہی معیار مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے''اتباعِ نبویﷺ''۔یہی نہیں بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ (یعنی اعمالِ نبویﷺ کی مشابہت) والی زندگی گزارنے والے ہر شخص کو یہ پیغام بھی دے دیا کہ:

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا O

''(یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک کام عنقریب پیدا کردے گا ان کے لیے رحمٰن [دلوں میں] محبت)(۷۷)

اس ارشادِ ربانی سے معلوم ہوا کہ اتباعِ نبوی کے نتیجے میں یہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اجرِ عظیم سے نوازتا ہے بلکہ دنیا میں بھی ایسے لوگوں کو مقبول و محبوب بنا دیتا ہے جو اللہ کے محبوب ﷺ کی کامل اتباع کا ثبوت ''ایمان اور اعمالِ صالحہ'' کے ذریعے فراہم کرتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیائے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی محبت جوامت کے دلوں میں پیوست ہے، اس کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اداؤں کو اپنانے والے لوگوں کی محبت عامۃ المسلمین کے دلوں میں ڈال کر اعلانِ قرآنی کو ''حقیقتِ مشہود'' بنا دیا ہے۔ اس ایک آیت اور اس کے ''مشہود'' مظاہر کو دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب جنابِ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کتنی محبت ہے!

اپنے رسول ﷺ سے جو اللہ تعالیٰ کو محبت ہے اس کا مظاہرہ قرآنِ کریم کی آیات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں ہم صرف ایک آیت ہی یہاں پیش کر دیں تو بات مبرہن ہو جائے گی:

''لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَO''

(قسم ہے تمہاری جان کی [اے نبیؐ] بے شک وہ اس وقت اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے)(۷۸)

نعیم الدین مرادآبادی نے کنزالایمان کے حاشیے میں لکھا ہے:

''اور مخلوقِ الٰہی میں سے کوئی جان بارگاہ الٰہی میں آپ کی جانِ پاک کی طرح عزت و حرمت نہیں رکھتی اور اللہ تعالیٰ نے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر کے سوا کسی کی عمر و حیات کی قسم نہیں فرمائی یہ مرتبہ صرف حضور ہی کا ہے''۔(۷۹)

قرآنِ کریم کی آیات سے آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی مبرہن ہیں

اب ہم کچھ آیاتِ قرآنی درج کرتے ہیں جن سے اللہ کے پیارے رسول جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقامِ عظمت کا اظہار ہوتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّ بِّہٖ (ایمان لایا یہ رسول [کریم] اس [کتاب] پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے)(۸۰)

لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّا سِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ ط (تا کہ فیصلہ کریں آپ، لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھایا آپ کو اللہ تعالیٰ نے)(۸۱)

یٰآ یُّھَا ا لنّاسُ قَدْ جَآ ءَ کُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّ بِّکُم (اے لوگو! تحقیق آ گیا ہے تمھارے پاس رسول، حق کے ساتھ تمھارے رب کی طرف سے)(۸۲)

یٰآ یُّھَا ا لنَّاسُ قَدْ جآ ءَ کُمْ بُرْھَا نٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْ رًا مُّبِیْنًا

(اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل آ گئی (یعنی نبیِ کریم) اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا)۔(۸۳)

قَدْ جَآ ءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ O (بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور [محمد مصطفیٰ ﷺ] تشریف لائے اور روشن کتاب)(۸۴)

سُبْحَا نَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِ ہٖ.. (ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو)(۸۵)

وَمَآ اَرْ سَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ O (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے)(۸۶)

لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ (تا کہ ہو جائے رسول [کریم] گواہ)(۸۷)

اَلنَّبِیُّ اَ وْلیٰ بِا لْمُؤ مِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (نبی [کریم] مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں)(۸۸)

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (عیسیٰ نے کہا: اور [میں] مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام [نامی] احمد ہوگا) (۸۹)

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌO

(اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسے رسول تشریف لائے جن کو تمہارا تکلیف میں پڑنا سخت ناگوار ہے، وہ تمہاری بھلائی بہت زیادہ چاہنے والے ہیں، وہ مسلمانوں پر تو نہایت شفیق [اور] مہربان ہیں) (۹۰)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ...... ([جانِ عالم] محمد، اللہ کے رسول ہیں) (۹۱)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ...... (اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی) (۹۲)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ (نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرمادے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملے کا تو پھر انہیں کوئی اختیار رہو اپنے اس معاملے میں) (۹۳)

وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًاO (اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا) (۹۴)

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ([یہ وہ ہیں] جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے) (۹۵)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاO (اے نبی [مکرم] ہم نے بھیجا ہے آپ کو [سب سچائیوں کا] گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا) (۹۶)

وَدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا O (اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا) (۹۷)

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍO (آپ تو [کجروی کے انجام بد سے] ڈرانیوالے

ہیں اور ہر قوم کے لیے آپ ہادی ہیں) (۹۸)

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا O (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر) (۹۹)

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ...... (بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) (۱۰۰)

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ O (اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں) (۱۰۱)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ...... (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو) (۱۰۲)

اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ O (بے شک ہم نے آپ کو [جو کچھ عطا کیا] بے حد و بے حساب عطا کیا) (۱۰۳)

"عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود میں اٹھائے گا) (۱۰۴)

درج بالا آیات کے علاوہ بھی بہت سی قرآنی آیات، اللہ کے نبی، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔ سب سے اہم وہ آیت ہے جس سے نعتیہ شاعری کا جواز پیدا ہوا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO

(بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو ان پر اور خوب سلام بھیجا کرو) (۱۰۵)

شبیر احمد عثمانی، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"صلوٰۃ النبی" کا مطلب ہے "نبی کی ثناء و تعظیم، رحمت و عطوفت کے ساتھ"......اللہ بھی

نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت وشفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اوراعزاز واکرام کرتا ہے۔اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں،مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت وتکریم اپنی شان ومرتبہ کے موافق ہوگی۔آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ ورحمت بھیجو۔اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیے)(۱۰۶)

درجِ بالا قرآنی حکم میں ''حضورِ اکرم ﷺ'' کی ثناء کا حکم داخل ہے اس لیے مدحِ آقا ﷺ کا جواز آپ ﷺ کے امتیوں کو ابھارتا ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں قصیدہ خوانی کریں۔سورۂ فتح میں حضورِ اکرم کی تعظیم کا تاکیداً حکم آیا ہے:

''وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط'' (اور تعظیم وتوقیر کرو رسول کی)(۱۰۷)

''مقامِ رسول ﷺ کے مصنف نے شیخ احمد صاوی مالکی کے حاشیہء جلالین سے جو اقتباس دیا ہے وہ درجِ بالا آیتِ کریمہ کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے:

''اس آیت تعزروہ و توقروہ سے ثابت ہوا کہ جو صرف تعظیم خدا کرے یا صرف تعظیم رسول کرے وہ مومن نہیں، بلکہ مومن وہ ہے جو تعظیم خدا و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں کرے۔لیکن ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے مطابق ہوگی۔پس اللہ تعالیٰ کی تعظیم،رب کو صفاتِ حوادث سے منزہ بتانا اور وصف کمالات سے موصوف ماننا ہے اور تعظیم رسول یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ حضور،اللہ کے سچے رسول ہیں۔تمام مخلوق کے لیے خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے ہیں علاوہ ازیں حضور کے عالی مرتبہ اوصاف اور پسندیدہ خصلتوں کا معتقد ہو''۔(۱۰۸)

دراصل قرآنِ کریم کی ہر آیت کسی نہ کسی زاویے سے حضورِ اکرم ﷺ ہی کے ذکر سے مملو نظر آتی ہے۔مثلاً

☆ قرآنِ کریم کی آیات سے آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی مبرہن ہیں۔

☆ مختلف کتبِ سماویہ اور صحفِ آسمانی سے آپ ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں بھی قرآنِ کریم میں نقل کی گئی ہیں۔

☆ تذکرہ ہائے انبیاء علیہم السلام میں نبیِ کریم جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کا حوالہ یا آپ ﷺ کی آمد کے لیے دعا کے الفاظ قرآنِ کریم کی زینت بنے ہیں۔

☆ کہیں اللہ رب العزت نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین حضورِ اکرم ﷺ کو صادق جانتے ہیں۔

☆ کہیں نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی فضیلت اور خاتمیت کا بیان ہے۔

☆ کسی جگہ نبیِ کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ واوصافِ حمیدہ کا تذکرہ ہے۔

☆ کہیں رسول اللہ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے اقارب کا مکلّف بشرع ہونا مرقوم ہے۔

☆ کہیں کہیں آپ ﷺ کے زلّات اور ان کے حوالے سے نازل ہونے والی وحیِ ربانی کے الفاظ قرآنِ کریم کا حصہ بنے ہیں۔

☆ کہیں آپ ﷺ کے اصحابِ کرام کا تذکرہ ہے اور ان کے فضائل بیان ہو رہے ہیں۔

☆ کہیں آپ کی طرف سے پیش کردہ دینِ اسلام کی گفتگو ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کی ازواج سے تخاطب ہے اور ان کی فضیلت کا اظہار ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کے معجزات کا بالخصوص شق القمر اور معراج کا ذکر ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کے غزوات کا ذکر ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ اپنا تعارف کروا رہا ہے۔

☆ کہیں جمیع انسانیت کو پیغام دیا جا رہا ہے کہ محمد ﷺ تمام عوالم کے لیے رحمت ہیں اور یہ کہ یہ ہر زمانے،ہر مقام اور ہر خطے کے رہنے والے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

☆ اسی لیے تمام عالمِ انسانی کو پیغام دیا گیا ہے کہ اب عملی زندگی کا نمونہ وہی اللہ کے ہاں قبول کیا جائے گا جو رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی یعنی اسوۂ مبارکہ سے ملتا ہوا ہوگا!

☆ کہیں حضورِ اکرم ﷺ کے تخاطب کا ادب سکھایا جا رہا ہے.................تو

☆ کہیں آپ ﷺ کی اتباع پر زور دیا جا رہا ہے اور واضح الفاظ میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ ''**من یطع الرسول فقد اطاع الله**'' اس رسول[ﷺ] کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی(۱۰۹)

ان تمام موضوعات پر قرآنِ کریم کی آیات کا احاطہ کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں ہے۔اس

لیے یہاں ہم صرف چند عنوانات کے تحت قرآنی آیات کے حوالے پیش کر دیتے ہیں۔ بعدازاں کچھ اور آیات مع ترجمہ نقل کر دی جائیں گی:

نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نبوتِ عامہ کے دلائل پر مبنی آیات

البقرہ ۱۱۹ اور ۱۵۱ النساء ۷۹ الاعراف ۱۵۸

الرعد۰

ابراہیم ۴ النحل ۴۳، ۴۴، ۶۴ بنی اسرآئیل ۱۰۵ تا ۱۰۹

الانبیآء ۱۰۷

الفرقان ۱، ۵۶ الاحزاب ۴۵ تا ۴۷ سبا ۲۸

فاطر ۲۴

الفتح ۸ تا ۱۰ المزمل ۱۵

نبی ﷺ کی بابت سابقہ کتبِ سماویہ میں پیشگوئیاں:

البقرہ ۸۹، ۱۴۴ تا ۱۴۶ الانعام ۲۰ الاعراف ۱۵۷

ہود ۱۷ الرعد ۴۳ المؤمنون ۶۹

طٰہٰ ۱۳۳ الفتح ۹ الصّف ۶

اہلِ کتاب و مشرکین کا آپ ﷺ کو صادق جاننا

البقرہ ۴۱، ۴۲، ۷۵، ۸۹، ۱۰۹، ۱۴۴، ۱۴۶ آلِ عمران ۸۶، ۹۹

الانعام ۱۱۴ الرعد ۳۶، ۴۳ القصص ۵۲، ۵۳، ۵۷

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل

آلِ عمران ۱۳، ۶۱ النساء ۱۶۳، ۱۶۶ الانعام ۱۰، ۱۱، ۱۰۴، ۱۰۵

الاعراف ۱۸۴ یونس ۱۶ یوسف ۱۰۹، ۱۱۱ الرعد ۴۳

النحل ۱۰۳ المؤمنون ۶۸ القصص ۴۴ تا ۴۶ سبا ۴۶ تا ۴۷

ص ۶۷ تا ۷۰ حٰمٓ السجدہ ۴۳ الزخرف ۵۴ الفتح ۲۷ تا ۲۹

الطّور ۲۹ تا ۴۲

نبی ﷺ کی فضیلت و خاتمیت

آلِ عمران ۸۱، ۱۱۰ النسآء ۱۱۳ بنی اسرائیل ۱، ۷۹ الفرقان ۱، ۵۶

الاحزاب ۴۰، ۴۵، ۴۶، ۵۶ النجم ۵ تا ۱۸ الضحیٰ ۱ تا ۸

الم نشرح ۱ تا ۴ الکوثر ۱ تا ۳

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اقارب کا مکلّف بشرع ہونا

البقرہ ۱۴۵ النساء ۸۴ المآئدہ ۶۷ الانعام ۱۴، ۱۵

الاعراف ۲۰۵ التوبہ ۱۱۳ یونس ۹۴، ۹۵، ۱۰۴، ۱۰۹

ہود ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۲۳ بنی اسرائیل ۷۴، ۷۵، ۷۸، ۷۹ مریم ۶۵

طٰہٰ ۱۳۰، ۱۳۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۷ العنکبوت ۴۵ الروم ۴۳

الاحزاب ۲۸، ۳۴، ۵۲ الزمر ۶۵، ۶۶ الشوریٰ ۱۵

الطّور ۴۸، ۴۹ المزمل ۱ تا ۱۰ المدثر ۱ تا ۷ الدہر ۲۳ تا ۲۶

الم نشرح ۷، ۸ الکوثر ۲ النصر ۳

معراج النبی ﷺ

بنی اسرائیل ۱ النجم ۱۲ تا ۱۸

معجزۂ شق القمر

سورۂ القمر ۵۴، آیت ۱

نبی علیہ السلام کا خلقِ عظیم و اوصافِ حسنہ

آلِ عمران ۴۴، ۱۵۹ المآئدہ ۱۵ الانعام ۳۵، ۵۰، ۵۲ تا ۵۹، ۹۰

الاعراف ۱۸۷، ۱۸۸ التوبہ ۴۰، ۶۱، ۱۲۸، ۱۲۹ یونس ۴۹

یوسف ۱۰۳،۱۰۴　　الحجر ۸۸　　الکہف ۶

الانبیاء ۱۰۷، ۱۰۹ تا ۱۱۱　　المؤمنون ۷۲　　الفرقان ۵۷، ۵۸

الشعراء ۳،۴　　الاحزاب ۵۳، ۸۳　　سبا ۴۷

الفاطر ۸　　ص ۸۶　　الشوریٰ ۲۳

الاحقاف ۹　　الطّور ۴۰　　القلم ۴

الجن ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۷

ذکرِ اصحاب النبی ﷺ

البقرہ ۱۴۳، ۲۷۳　　الِ عمران ۱۱۰، ۱۷۲ تا ۱۷۴　　التوبہ ۹۷، ۸۶ تا ۸۹، ۹۲، ۹۸

تا ۱۰۰، ۱۱۷

النحل ۱۱۰　　الحج ۳۹ تا ۴۱، ۵۸　　النور ۲۲

الشعراء ۲۱۹

الاحزاب ۲۲، ۲۳　　الفتح ۱۰، ۱۸، ۱۹، ۲۶، ۲۹　　الحشر ۸ تا ۱۰

ذکرِ بناتِ رسول اللہ

الاحزاب ۵۹

اہلِ بیت (امہات المؤمنین رض) کا ذکر:

النور ۲۶　　الاحزاب ۶، ۲۸ تا ۳۴، ۳۷ تا ۴۰، ۵۰ تا ۵۲، ۵۳

التحریم ۱ تا ۵

آپ ﷺ کے زَلّات اور ان پر فرمانِ الٰہی

الِ عمران ۱۲۸　　النساء ۱۰۵ تا ۱۰۷　　الانفال ۶۷، ۶۸　　التوبہ ۴۳، ۸۴

الاحزاب ۳۷　　التحریم ۱ تا ۵　　عبس ۱ تا ۱۰

غزواتِ نبی ﷺ

الِ عمران ۱۳، ۱۲۱ تا ۱۲۷، ۱۴۰ تا ۱۴۵، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۶۵ تا ۱۷۵

الانفال ۳ تا ۱۸، ۴۱ تا ۴۴، ۴۸، ۴۹

التوبہ ۲۵، ۲۶، ۳۸، ۳۹، ۴۲ تا ۵۹، ۸۱ تا ۸۳

الاحزاب ۹ تا ۲۷　　الفتح ۱ تا ۱۲　　الحشر ۲ تا ۶ (۱۱۰)......(۱۱۱)

درجِ بالا تمام آیات میں حضور رسالت مآب ﷺ کا ذکرِ خیر بڑا واضح ہے۔ ان آیات کے علاوہ بھی بہت سی آیاتِ قرآنی میں حضورِ اکرم کا ذکر بالواسطہ آیا ہے مثلاً

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ ط وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ O ۱۴۶

جن کو ہم نے دی کتاب اس کو وہ ہیں پہچانتے ﴿﴾ جس طرح بیٹوں کو اپنے ہیں (بخوبی) جانتے ہیں انہیں میں سے (مگر) ایسے بھی کچھ افراد (ہاں) ﴿﴾ دیدہ و دانستہ کر لیتے ہیں جو حق کو نہاں (۱۱۲)

مقامِ رسالت کے ادراک کے لیے قرآنِ کریم کا بالاستیعاب مطالعہ ضروری ہے۔ شاعر اور نقاد دونوں کا فرض ہے کہ نعت کہنے اور نعت کی تفہیم کے عمل سے گزرنے کے لیے قرآنی تلمیحات بہت حزم و احتیاط سے استعمال کریں انہیں سمجھ کر تنقیدی کسوٹی پر پرکھیں۔ اب ہم چند ایسی آیات نقل کرتے ہیں جن میں حضورِ اکرم ﷺ کو "ارسلنکَ"، "انَّکَ"، "کذالک"، "ربکم" یا "قل" کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا لا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ O

" دینِ حق دے کر یقیناً تم بھی ہو بھیجے گئے......مژدہ دینے اور (کافر) کو ڈرانے کے لیے......اہلِ دوزخ کی نہ تم سے پوچھ گچھ ہوگی (ولے)(۱۱۳)

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ ز وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ

ط وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ۝۷۹

(اے مرے بندے) جو پہنچے تجھ کو کوئی فائدا ...... (یہ سمجھ) اللہ کی جانب سے ہے وہ (برملا)......اور اگر نقصان پہنچے (تو سمجھنا چاہیے)......تجھ کو یہ نقصان پہنچایا ہے تیرے نفس نے......ہم نے بھیجا تم کو لوگوں کے لیے پیغامبر......(صرف اک) حق کی شہادت کافی ہے (اس بات پر)

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ج وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ
ط
حَفِیْظًا ط ۝

جس نے مانا (صدق دل سے واقعی) حکمِ رسول...... اس نے (گویا اپنے) خالق کی اطاعت کی قبول ......ہو جو روگرداں کوئی (تو تم نہ ہونا سرگراں)......تم نہیں بھیجے گئے ان کے بنا کر پاسباں (۱۱۴)

کَذٰلِکَ اَرْسَلْنٰکَ فِیْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَیْھِمُ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَھُمْ یَکْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ط قُلْ ھُوَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ مَتَابِ ۝

ایک امت میں تمھیں بھیجا ہے ہم نے (اے نبی)......ان سے پہلے امتیں گزری ہیں (بیشک) اور بھی......تا جو تم پر وحی آئے وہ سنا دو تم انہیں......اور وہ رحمٰن سے ہوتے ہیں منکر (مفت میں)......ان سے کہہ دو صرف اک اللہ ہی رب ہے مرا...... بندگی (جائز) کسی کی بھی نہیں اس کے سوا...... ہے بھروسہ اس پہ، میں اس کی طرف مائل ہوا (۱۱۵)

رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ط اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ۝۵۴

رب تمھارا تم کو ہے اچھی طرح پہچانتا......وہ اگر چاہے تو کر دے رحم تم پر (برملا)......اور اگر

چاہے عذابِ (سخت) دے وہ کردگار......اور نہیں بھیجا بنا کر تم کو ان کا ذمہ دار (۱۱۶)

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا م ۝

ہم نے حق کے ساتھ ہے قرآن کو نازل کیا......اور وہ سچائی ہی کے ساتھ ہے نازل ہوا...... ہم نے بھیجا ہے تمھیں مژدہ سنانے کے لیے......اور (عذابِ حق سے) لوگوں کو ڈرانے کے لیے (۱۱۷)

.اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ط وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۝

دینِ برحق دے کے بھیجا ہے (تمھیں تبلیغ کو)......مژدۂ (رحمت) سنانے، ڈر سنانے (قہر کا)......اور نہیں امت کوئی ایسی کہ جس میں (برملا)......ڈر سنانے والے، بھیجے ہوں نہ ہم نے انبیاء (۱۱۸)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ط اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ط

(اے نبی) اس پر بھی گر منہ پھیر لیں یہ (خویش بیں)......تو بنا کر پاسباں ان کا تمہیں بھیجا نہیں...... ہے تمہارے ذمے پہنچانا فقط احکام کا (۱۱۹)

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا......

منتظر حکمِ خدا کے صبر سے بیٹھے رہو......لا تم ہماری نظروں میں ہو (اور نگرانی میں ہو) (۱۲۰)

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ ۝۹۵

ہم ہی کافی ہیں (نبٹنے کو) تمہاری سمت سے......ٹھٹھہ کرنے والے کے (اور ہنسنے والوں کے) لیے (۱۲۱)

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ج

کہہ دو وہ مانیں خدا کا حکم اور حکمِ نبیؐ (۱۲۲)

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط

(ڈرتے کیوں ہو) تم کو لوگوں سے بچالے گا خدا (۱۲۳)

ان آیاتِ قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو براہِ راست مخاطب کر کے یا تو صبر آزما مرحلوں پر تسلی دی ہے، یا آپ ﷺ کو یقین دلایا ہے کہ لوگوں سے اللہ خود نمٹ لے گا اور وہ اپنے نبی ﷺ کی لوگوں سے حفاظت بھی فرمائے گا۔ آپ ﷺ کو یہ بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف وحی الٰہیہ کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ بنی نوعِ انسان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ترغیب بھی اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کے ذریعے دی ان سے ہی کہلوایا کہ اللہ اور رسول کا حکم مانیں۔ بلکہ یہ تک فرما دیا کہ اگر انسان اپنے اوپر ظلم کر بیٹھیں تو نبی ﷺ کے پاس آئیں خود بھی توبہ کریں اور اگر نبی ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت چاہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا۔ بات نبی ﷺ کی حیاتِ دنیوی کی ہے لیکن آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ کے روضہء اقدس پر حاضر ہو کر بھی اس آیت کے حوالے سے مغفرت طلب کی جاسکتی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

ظلم جن لوگوں نے خود ڈھایا تھا اپنے نفس پر...... وہ تمہارے روبرو اس وقت آجاتے اگر...... اور پھر اللہ سے (اپنے) وہ ہوتے عذر خواہ...... بخشواتے پھر رسول (اللہ) بھی ان کے گناہ...... پاتے وہ آمرز گار و مہرباں ذاتِ الٰہ (۱۲۴)

ان آیات کے علاوہ نبی علیہ السلام کی عبدیت کو بھی ظاہر کرنے کے لیے آیات نازل فرمائی گئی ہیں اور خود نبی ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ نہ تو میرے پاس خزانے ہیں، نہ میں ذاتی علمِ غیب رکھتا ہوں اور نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اللہ کے حکم کی پیروی کرنے والا ہوں:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ط

ان سے کہہ دو، تم سے میں یہ تو نہیں کہتا کہ (ہاں)...... ہیں خزانے میرے پاس اللہ کے،

ہوں غیب داں...... میں فرشتہ بھی نہیں کہتا ہوں اپنے کو (کبھی)...... جو خدا کا حکم ہو' کرتا ہوں اس کی پیروی (۱۲۵)

پھر یہ بھی جتا دیا کہ اللہ کے رسول غیب کی خبریں پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیتے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝

غیب کی باتوں پہ بخل اس کو نہیں ہے (زینہار) (۱۲۶)

یہ بھی ہوا کہ نبی ﷺ کی شدتِ احساس کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غم نہ کرنے کی تلقین فرمائی:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ط

ان کے افسوس اور غم میں تم نہ دیدو اپنی جاں (۱۲۷)

اور ایسا بھی ہوا کہ بعض معاملات پر اللہ تعالیٰ نے مشفقانہ انداز میں ٹوکا بھی۔ ایسی چند آیات کے نمبر شمار ''آپ ﷺ کے زَلَّات اور فرمانِ الٰہی'' کے زیرِ عنوان اوپر لکھ دیئے گئے ہیں۔

درج بالا چند آیاتِ قرآنی سے مقامِ رسالت مآب ﷺ کی تفہیم میں سہولت ہو جاتی ہے۔ نعت گو شاعر اور نعتیہ ادب کے نقاد کو حضورِ اکرم ﷺ کے رفیع الشان مقام کا ادراک حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی آیات میں غور و فکر کرتے رہنا چاہیے، تاکہ شاعر کوئی بات آپ ﷺ کے مرتبے اور مقام سے فروتر یا برتر نہ کہے اور نقاد اس کی تفہیم میں کوئی غلطی نہ کرے۔ کیوں کہ نقاد کے لیے، کلام کی تحسین اور تجزیہ کرتے ہوئے ان نکات کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

تنقیدِ نعت میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ علمائے کرام کے فکری اختلافات کے باعث کسی کا شعر ایک طبقے کے لیے قابلِ مذمت ہوتا ہے تو دوسرے طبقے کے لیے وجہِ افتخار! چناں چہ نقاد کو درمیانی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے اپنی رائے دینے کا حق ہے لیکن کسی کے خلاف فتویٰ دینے کا حق قطعی نہیں ہے۔ صریح گمراہی کی نشاندہی البتہ اسے کر دینی چاہیے۔

احادیث کی روشنی میں مقام رسالت کی تفہیم:

حضور رسالت مآب ﷺ کے مقامِ رسالت کی تفہیم کے لیے ذخیرۂ احادیث میں سب سے اہم حدیث آپ ﷺ کی اس عظمت کے حوالے سے ملتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کروایا جاتا ہے کہ ''حضورِ اکرم ﷺ ہی وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں''۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، اپنی معروف تصنیف ''الخصائص الکبریٰ'' جلد اول میں ،حاکم ،بیہقی اور طبرانی رحمھم اللہ کے حوالے سے وہ حدیث نقل فرماتے ہیں جس کے راوی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے التجا کی: اے رب! بہ حقِ محمد ﷺ مجھے بخش دے!......اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم نے محمد ﷺ کو کس طرح جانا؟ عرض کیا' جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جان آفرینی کی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرش اعلیٰ کے ستونوں پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا ہے۔تو میں نے جان لیا کہ جس ذات اقدس کا نام نامی تیرے اسمِ گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ ومحترم ہوگا'۔رب عظیم نے فرمایا:'اے آدم!تم نے ٹھیک سمجھا۔اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا نہ کائنات کو'۔حدیث قدسی ہے''لَوْ لَا کَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکُ'' ۔ اس حدیث قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالمِ اجساد،صدقہ ہے وجودِ باجودِ جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کا''(۱۲۸)

درجِ بالا حدیثِ قدسی کے الفاظ پر اہلِ فن نے کلام کیا ہے لیکن مفہوم صحیح بتایا ہے۔اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سوال کے جواب میں اصل حدیث کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے ہیں:

''خلقت الخلق لاعرفهم کرامتک و منزلتک عندی ولو لاک ما خلقت الدنیا''

''یعنی اللہ عزوجل اپنے محبوب اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ میں نے تمام مخلوق اس لیے

بنائی کہ تمہاری عزت اور تمہارا مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں۔اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا''(۱۲۹)

علامہ کوکب نورانی نے اپنی کتاب 'نعت اور آدابِ نعت' میں تفسیر عزیزی (فتح العزیز) کے حوالے سے حدیث قدسی کے الفاظ یوں لکھے ہیں:

''لَوْ لَا کَ لَمَا اَظْهَرْ تَ الرَّ بُوْ بِیَّةَ''

یعنی آپ ؐ کی خاطر ربوبیت ظاہر ہوئی۔(۱۳۰)

حضورِ اکرم ﷺ کی یکتائی کا اظہار خود حضورِ اکرم ﷺ کے الفاظ میں اس طرح بھی احادیث میں مروی ہے:

''ایکم مثلی؟'' (کون ہے تم میں سے میری طرح)''لست مثلکم'' (میں تمہاری طرح،تم جیسا نہیں ہوں)(۱۳۱)

ڈاکٹر طاہر القادری نے بھی اپنی کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' میں 'حقیقتِ محمدیہ' کے ضمن میں کچھ احادیث نقل کی ہیں۔مثلاً

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو وجود دینے اور اس کے رزق کو مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو انوارِ صمدیت سے بارگاہ خداوندی میں حقیقت محمدی ﷺ کو ظاہر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدی ﷺ سے عالم پست وبالا کو اپنے حکم کے مطابق جیسا کہ اس کے علم اور ارادۂ قدیم میں طے ہو چکا تھا پیدا کیا۔پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کی نبوت کا علم عطا کیا اور آپ ﷺ کی رسالت کی بشارت دی۔اس وقت کہ جب آدم علیہ السلام روح وجسم کے درمیان تھے۔پھر آپ ﷺ سے ارواح کے چشمے جاری ہوئے پھر آپ ﷺ کی حقیقت نے عالم بالا کی مخلوق (ملائکہ) میں اعلیٰ درجے کا ظہور فرمایا آپ ﷺ فیض رسانی کمالات کے اعتبار سے کل انبیاء اور مقربین بارگاہ الٰہی کے لیے شیریں چشمہ تھے۔آپ ﷺ اپنی پیدائش کے لحاظ سے تمام اجناس کی جنس عالی ہیں (جو ہر ہونے کے اعتبار سے اصل کائنات ہیں، اس سے اوپر اور کوئی چیز نہیں ساری کائنات اس کے نیچے ہے) اور جمیع موجودات اور انسانوں کے لیے بڑے باپ (اصل کائنات) ہیں اس لیے کہ جمیع

کائنات اور جمیع انسان آپ ﷺ کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں''۔(۱۳۲)

حقیقتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃُ والسلام کے ضمن میں امام نبہانی، شیخ الاکبر ابن عربی سے استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضور نبی اکرم ﷺ کی روح اور آپ ﷺ کی حقیقت جملہ حقائق کی اصل ہے۔آپ ﷺ روح کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کے بھی باپ ہیں اور جسم کے لحاظ سے آدم علیہ السلام آپ ﷺ کے باپ ہیں۔آپ ﷺ باطن کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے سب سے آخری، آپ ﷺ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سلطان اعظم ہیں اور وہ آپ ﷺ کی ماتحتی میں گویا نائب ہیں جو اپنی امتوں کی طرف مبعوث ہوئے۔اگر انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے دورِ تبلیغ میں آپ ﷺ کو ظاہری لحاظ سے پاتے تو امت وسط کے زمرے میں شامل ہوتے''۔(۱۳۳)

حضور ﷺ کے نور کی تخلیق، تخلیقِ اول تھی، اس ضمن میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ معروف ہے۔امام نبہانی نے جواہر البحار میں لکھا ہے:

''حدیثِ جابرؓ ہے' اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور نبیِ اکرم ﷺ کی روح منور کو پیدا فرمایا پھر عرش و کرسی اور لوح اور عالم پست و بالا (وغیرہ تمام اشیاء کو اس روح مقدس سے پیدا فرمایا) اور حدیثِ پاک میں ان اشیاء کی تخلیق کی ایسی واضح ترتیب بیان کردی گئی ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ تمام اشیاء حضور نبی اکرم ﷺ کی فرع ہیں اور آپ ﷺ ان کی اصل ہے''

(۱۳۴)

حضورِ اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلِ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَ اَجْمَلَهٗ ، اِلَّا مَوْ ضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ : هَلَّا وُ ضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ ؟ قَالَ: فَاَنَّا اللَّبِنَة، وَ اَنَا خَاتَمُ النَبِیین''

''میری اور اگلے پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا، اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس گھر میں پھرتے ہیں تعجب کرتے ہیں (ایسا آراستہ گھر) یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی، فرمایا: تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں''۔(۱۳۵)

حضورِ اکرم ﷺ کی ذات، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفۂ رحمت

''انما ان رحمة مهداة''

(میں رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی ہے)(۱۳۶)

پھر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''**ارسلت الى الخلق كافة**''، ''میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں''۔(۱۳۷)

جامع ترمذی میں ایک طویل حدیث ہے، جس میں بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے ان کے درجات پر تعجب کا اظہار فرما رہے تھے کہ آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا:

''(رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کی باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سن لیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست ہیں اور وہ اسی طرح ہیں۔موسیٰ علیہ السلام اللہ کے چنے ہوئے ہیں اور وہ بھی اسی طرح ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور اس کے کلمہء کن سے پیدا ہوئے ہیں، یہ بھی اسی طرح ہیں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے اختیار کیا ہے وہ بھی اسی طرح ہیں۔جان لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور یہ میں فخر یہ نہیں کہہ رہا۔میں ہی حمد کے جھنڈے کو قیامت کے دن اٹھاؤں گا۔یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، میں ہی سب سے پہلے جنت کی زنجیر کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ تعالیٰ میرے لیے اسے کھولیں گے۔پھر میں اس میں مؤمن فقراء کیساتھ داخل ہوں گا۔یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا اور میں گزشتہ اور آنے والے تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہوں۔یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا (بلکہ بتانے کے لیے کہہ رہا ہوں) یہ حدیث غریب ہے۔(۱۳۸)

نُبُوَّت کب عطا کی گئی

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالُوْایَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ".

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی روح اور جسم تیار ہو رہا تھا"۔(۱۳۹)

شفاعت

بخاری شریف، باب تفسیر میں حدیث نمبر ۱۸۲۰، شفاعت کے سلسلے میں بڑی طویل حدیث آئی ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ قیامت کے دن کی سختی سے گھبرا کر لوگ، سفارش کے لیے کسی کو تلاش کرتے ہوئے پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے "اذھبوا الیٰ غیری" [تم کسی اور کے پاس جاؤ]۔ نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھی یہی جواب ملے گا۔ اخیر میں سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں گے۔ حضورِ اکرم نے فرمایا کہ لوگوں کی پریشانی دیکھ کر اور ان کی فریادیں سن کر کہ "ہماری سفارش کیجیے" میں سجدے میں جا کر دعا کروں گا:

"فَأَ نْطَلِقُ فَآتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَ قَعُ سَاجِدًالِرَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ عَلٰی أَ حَدٍ قَبْلِیْ، ثُمَّ یُقَالُ: یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْ سَکَ سَلْ تُعطه وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِیْ فَأَقُوْلُ: أُمَّتِیْ یَارَبِّ أُمَّتِیْ یَا رَبِّ، فَیُقَالُ: یَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُ مَّتِکَ لَا حِسَابَ عَلَیْهِم مِنَ الْبَابِ الْأَ یْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَکَاءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوَی ذٰلِکَ مِنَ الْأَبْوَابِ"......

"میں یہ سنتے ہی (میدانِ حشر سے) چلوں گا اور عرش کے تلے پہنچ کر اپنے پروردگار کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پروردگار اپنی تعریف اور خوبی کی وہ وہ باتیں میرے دل میں

ڈال دے گا (میری زبان سے نکلوائے گا) جو کسی کو نہیں بتلائیں۔ پھر ارشاد ہوگا محمد! (ﷺ) سر اٹھا، مانگ جو مانگتا ہے۔ وہ ملے گا جس کی سفارش کرے گا ہم سنیں گے۔ میں سر اٹھا کر عرض کروں گا، پروردگار میری امت پر رحم فرما، پروردگار میری امت پر رحم فرما، ارشاد ہوگا: اپنی امت میں سے ان (ستر ہزار آدمیوں) کو جن کا حساب و کتاب نہیں ہوگا، بہشت کے داہنے دروازے سے بہشت میں لے جا اور یہ لوگ باقی دروازوں سے بھی اور لوگوں کی طرح جا سکتے ہیں"۔(۱۴۰)

مولانا وجیہ الدین احمد خان نے اپنی کتاب "مسلکِ اربابِ حق" میں درجِ بالا حدیث کا حوالہ دے کر قرآنِ کریم سورۂ "الضحیٰ" کی اس آیت سے بھی استشہاد کیا ہے:

"وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰیO"

"اور عنقریب (وہ کچھ) عطا کرے گا تمہیں، تمہارا رب کہ خوش ہو جاؤ گے تم!"(۱۴۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنے کا مرحلہ آپ ﷺ کی امت کی شفاعت کے موقع پر آئے گا۔

احادیث کی روشنی میں نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دیگر انبیاء پر فضیلت

اس ذیل میں بھی بہت ساری احادیث ہیں۔ ہم یہاں چند ایک احادیث نقل کرتے ہیں:

"اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَآءِ تَبْعًا یَّوْمَ الْقِیَامَةِ"

"قیامت کے دن سب نبیوں سے بڑھ کر میرے تابعدار ہوں گے"۔(۱۴۲)

"فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَآئِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طُهُوْرًا وَّ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً وَّ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ"......

"چھ باتوں کی مجھ کو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ غنائم میرے لیے حلال کر دی گئی ہیں۔ زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے۔ میں سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے ساتھ انبیاء ختم کیے گئے ہیں"۔(۱۴۳)

"اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَکَرِمِ الْاَخْلَاقِ وَکَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ".

"مجھ کو مکارم اخلاق اور محاسنِ افعال تمام کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے"۔(۱۴۴)

"اَنَاقَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ".

"میں انبیاء و مرسلین کا قائد ہوں اور یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا"۔(۱۴۵)

درج بالا چند احادیث میں مدح مصطفےٰ ﷺ کرنے والوں اور مدحتِ سرکار ﷺ کی جانچ پڑتال کرنے والے ناقدین کے لیے رہنمائی کے بڑے نکات موجود ہے۔

نعتیہ شعری متن کی تخلیق کے رجحانات

اس موقع پر یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کی تفہیم قرآن کریم کی آیات اور احادیث کی روشنی میں ہونے کے باوجود اسلامی دنیا میں دو طرح کے رجحانات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

۱......ایک طبقے کا Perception یا ادراک خالص شریعت کے ظاہر الفاظ پر مبنی ہوتا ہے جبکہ:

۲......دوسرے طبقے کا فہم و ادراک نبوت کی کنہہ اور اصلیت جاننے کے سلسلے میں ایک خاص تجسس اور لفظوں کی روح تک رسائی کی کوشش کے نتیجے میں ظہور میں آتا ہے۔اس طبقے میں صوفیانہ باطنی احوال کی روشنی میں بھی نعتیہ شعری متن (Text) تخلیق کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

اس طرح پہلا طبقہ، اپنی نعتیہ تخلیقات میں صرف الفاظ کے ظاہری معانی پر زور دیتا ہوا نظر آتا ہے۔جبکہ دوسرے طبقے کے لوگ اپنے باطنی احوال پر مبنی شخصی تجربات کی روشنی میں مدحتِ سرکارِ دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی اساس پر نعتیہ متنی تخلیق میں محو پائے جاتے ہیں۔اپنی آسانی کے لیے ان دونوں طبقوں کو ہم: (الف) شریعتی، اور (ب) طریقتی، کا نام دے سکتے ہیں۔یعنی الفاظ کے ظاہری معانی پر زور دینے والوں کو "شریعتی" اور الفاظ کے باطنی معانی کا کھوج لگانے کی کوشش کرنے والوں کو "طریقتی" اندازِ فکر و اظہار کا مدعی قرار دیا جاسکتا ہے۔

مقامِ رسالت کی تفہیم کے دونوں انداز، نعتیہ شعری رویوں میں ظہور پاتے ہیں۔شعراء اپنی

افتادِ طبع کے لحاظ سے شعری متن تشکیل دیتے ہیں۔لیکن اس ضمن میں اہلِ حال (صوفیاءِ کرام) اور اہلِ قال (صرف اپنے جذبے کی بنیاد پر شعر کہنے والے شعراء) کا امتیاز قائم رہنا چاہیے۔اہلِ قال، تصوف کے سنے سنائے مضامین کو شعری متن نہ بنائیں۔کیوں کہ اظہار کی سچائی، نعت کا اہم ترین متنی تقاضا ہے۔

نقاد کی بھی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دو طبقوں کے نکتہ ءنظر کو جان کر صرف ایسی باتوں سے گریز کا مشورہ دے جو صریحاً شریعتِ مطہرہ سے متصادم ہوں۔ایسی باتوں کو قطعی زیرِ بحث نہ لائے جن میں علماء و صوفیائے کرام کے درمیان تاویلات اور تفہیمات کا علاحدہ نظام موجود ہے اور جس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے سلسلے میں اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا ہے۔ایسی باتوں میں پڑنے سے نور و بشر، حاضر و ناظر، علمِ غیب، اختیارِ نبوت، شفاعت کی حدود اور دیگر بحثیں چھڑ سکتی ہیں۔اس لیے نقاد کو ان مباحث کے خارزار میں الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

☆☆

مآخذ و منابع

۱۔القرآن:۵۱:۵۶ (آیت ۵۶: سورۃ الذاریات ۵۱)

۲۔تفسیرِ مظہری۔جلد گیارہ۔ص ۷۱

۳۔ایضاً ص ۷۲

۴۔تفہیم القرآن، جلد پنجم: ص ۱۵۶

۵۔القرآن:۲،۳:۷۶

۵۔الف۔القرآن ۱۸:۲۹

۶۔القرآن:۶:۶۷

۷۔ایضاً:۱تا۳:۱۰۳

۸۔ضیاء القرآن، جلد پنجم: ص ۶۵۴

۹۔القرآن:۲۲۴تا۲۲۷:۲۶

۱۰۔تفسیرِ ابنِ عباسؓ: ص ۳۷۶

۱۱۔تفہیم القرآن: جلد سوم: ص ۵۴۹

۱۲۔القرآن:۳۶:۶۹

۱۳۔اسرار التنزیل: جلد ۷، ص ۳۴

۱۴۔القرآن:۲:۱۰۴

۱۵۔تفہیم القرآن، ج اول: ص ۱۰۱

۱۶۔القرآن:۱۵:۷۲

۱۷۔شرح کلیاتِ غالب (فارسی)، ص ۹۳

۱۸۔القرآن:۲تا۴:۴۹

۱۹۔ضیاء القرآن، جلد چہارم: ص ۵۷۸

۲۰۔القرآن:۳۳:۵۶

۲۱۔ایضاً ۴۳:۳۳

۲۲۔تفسیرِ ابنِ عباسؓ، ص ۴۲۳

٢٣۔تفسیر ابنِ عباس[مترجم]جلد دوم:ص٢٩٠
٢٤۔ضیاءالقرآن،جلد چہارم:ص٨٩ ٢٥۔القرآن:٩٤:٤
٢٦۔تفسیرِ ابنِ عباس[مترجم]جلد دوم:ص٧٨٥
٢٧۔القرآن:٣٣:٧٠
٢٨۔القرآن:٣٤:١٠
٢٩۔ضیاءالقرآن،ج چہارم:ص١١٤
٣٠۔القرآن:٦٧:٣،٤
٣١۔تفسیرِ مظہری:جلد ہشتم،ص٣٨٥
٣٢۔مشکٰوۃ شریف:جلد دوم:ص٤١٢تا٤١٤
٣٣۔القرآن:٢:٢٦٩
٣٤۔برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری،ص٢٢٠
٣٥۔بلوغ الارب،جلد چہارم ص٥٢
٣٦۔صحیح بخاری[کتاب الادب]،جلد سوم:ص٤٨٦
٣٧۔بلوغ الارب:جلد٤،ص٦٢
٣٨۔مشکٰوۃ شریف:جلد دوم،ص٤١٢
٣٩۔بلوغ الارب:جلد٤،ص٦٢
٤٠۔صحیح بخاری:ج:٣،ص٤٨٦
٤١۔ایضاً[کتاب المناقب]،جلد دوم:ص٤٨٠
٤٢۔ایضاً ص٤٨١
٤٣۔ایضاً ص٥٤٥
٤٤۔عربی میں نعتیہ کلام،ص٥٩
٤٥۔ایضاً ص٥٩
٤٦۔اسرار و رموز،[فارسی اردو ترجمہ]،ص١٨١
٤٧۔مدارج النبوت:ج دوم:ص٣٦٢
٤٨۔صحیح بخاری،جلد سوم:ص٤٨٨
٤٩۔برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری،ص٢٢٤
٥٠۔مشکٰوۃ شریف:جلد دوم،ص٤١٣
٥١۔ایضاً جلد دوم:ص٤١٦
٥٢۔ایضاً جلد دوم:ص٤١٦
٥٣۔سلسلہء درسیاتِ اقبال:سوم،ص ١٢/١٦٤
٥٤۔ایضاً ص١٣/١٦٥
٥٥۔ایضاً ص١٤/١٦٦

٥٦۔مشکٰوۃ شریف:جلد دوم،ص٤١٦
٥٧۔القرآن:١٥:٩
٥٨۔ایضاً٥:٣
٥٩۔نور العرفان،ص١٧٠
٦٠۔معارف القرآن:جلد٣،ص٣٣
٦١۔القرآن:٣٤:٢٨
٦٢۔ایضاً٢:٤
٦٣۔ایضاً ٣٣:٤٠
٦٤۔ایضاً٢١:١٠٧
٦٥۔ایضاً٣٣:٢١
٦٦۔ایضاً٣:١٩
٦٧۔ایضاً٥٩:٧
٦٨۔ایضاً٣:١٦٤
٦٩۔ایضاً٧:٢٠٣
٧٠۔ایضاً ١٠:١٥
٧١۔ایضاً آیات٣،٤سورۃ٥٣
٧٢۔القرآن:٦:١٦٣
٧٣۔تفسیرِ عثمانی ص٢٠٠
٧٤۔القرآن:٤١:٦
٧٥۔حاشیہ کنزالایمان:ص٢٩٠
٧٦۔القرآن:٣:٣١
٧٧۔ایضاً ١٩:٩٦
٧٨۔ایضاً١٥:٧٢
٧٩۔حاشیہ کنزالایمان:ص٣٨٤
٨٠۔القرآن:٢:٢٨٥
٨١۔ایضاً ٤:١٠٥
٨٢۔ایضاً٤:١٧٠
٨٣۔ایضاً٤:١٧٤
٨٤۔ایضاً٥:١٥
٨٥۔ایضاً١٧:١
٨٦۔ایضاً٢١:١٠٧
٨٧۔ایضاً٢٢:٧٨
٨٨۔ایضاً٣٣:٦
٨٩۔ایضاً٦١:٦
٩٠۔ایضاً٩:١٢٨
٩١۔ایضاً ٤٨:٢٩
٩٢۔ایضاً٣٩:٣٣
٩٣۔ایضاً٣٣:٣٦
٩٤۔ایضاً٣٣:٣٦
٩٥۔ایضاً١٧:١٥٧
٩٦۔ایضاً٣٣:٤٥
٩٧۔ایضاً ٣٣:٤٦
٩٨۔ایضاً١٣:٧
٩٩۔ایضاً٣٤:٢٨
١٠٠۔ایضاً٣٣:٤٠
١٠١۔ایضاً٦٨:٤
١٠٢۔ایضاً٩٤:٤
١٠٣۔ایضاً١٠٨:١
١٠٤۔ایضاً١٧:٧٩
١٠٥۔ایضاً٣٣:٥٦
١٠٦۔تفسیرِ عثمانی ص٥٦٧

۱۰۷۔القرآن:۹:۴۸

۱۰۸۔مقامِ رسول ﷺ:ص۵۰　۱۰۹۔القرآن۸۰:۴

۱۱۰۔تفسیر احسن البیان،مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری،ریاض،ص ۳۵۔۳۸

۱۱۱۔☆ کچھ ترمیمات کی گئی ہیں۔مثلاً اہلِ بیت،شق القمر،بنات النبی ﷺ،کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۱۲۔القرآن ۲:۱۴۶ (وحیِ منظوم،سیماب اکبر آبادی)

۱۱۳۔القرآن۱۱۹:۲،ایضاً　۱۱۴۔القرآن۷۹،۸۰:۴،ایضاً

۱۱۵۔القرآن۳۰:۱۳،ایضاً　۱۱۶۔القرآن۵۴:۱۷،ایضاً

۱۱۷۔القرآن۱۰۵:۱۷،ایضاً　۱۱۸۔القرآن۲۴:۳۵،ایضاً

۱۱۹۔القرآن۴۸:۴۲،ایضاً　۱۲۰۔القرآن۴۸:۵۲،ایضاً

۱۲۱۔القرآن۹۵:۱۵،ایضاً　۱۲۲۔القرآن۳۲:۳،ایضاً

۱۲۳۔القرآن۶۷:۵،ایضاً　۱۲۴۔القرآن۶۴:۴،ایضاً

۱۲۵۔القرآن۵۰:۶،ایضاً　۱۲۶۔القرآن۲۴:۸۱،ایضاً

۱۲۷۔القرآن۸:۳۵،ایضاً

۱۲۸۔الخصائص الکبریٰ،فی معجزاتِ خیر الوریٰ:جلد اول،ص۵۱

۱۲۹۔نعت رنگ ۱۸،ص۵۷۲

۱۳۰۔نعت اور آدابِ نعت(مہر منیر اکیڈمی[انٹرنیشنل])،دسمبر۲۰۰۴ء،ص ۳۰

۱۳۱۔ایضاً ص۶۳　۱۳۲۔۔میلادِ مصطفےٰ ﷺ:ص۵۰

۱۳۳۔ایضاً ص۵۸　۱۳۴۔ایضاً ص۱۸۲

۱۳۵۔صحیح بخاری،باب خاتم النبیین ﷺ،جلد دوم:حدیث۷۴۴،ص۲۸۳

۱۳۶۔ضیاءالقرآن:ج:سوم،ص۱۹۲　۱۳۷۔مقامِ رسول ﷺ:ص۳۷۹

۱۳۸۔جامع ترمذی:جلد دوم:ص۶۷۸　۱۳۹۔ایضاً ص۶۷۵

۱۴۰۔صحیح بخاری:ج۲:ص۹۰۹　۱۴۱۔مسلکِ اربابِ حق:ص۲۱۶

۱۴۲۔مشکوٰۃ شریف:ج۳: ص۱۱۵　۱۴۳۔ایضاً ص۱۱۷

۱۴۴۔ایضاً ص۱۲۲　۱۴۵۔ایضاً ص۱۲۱

☆☆

بابِ دوم:

نعتیہ ادب اور شرعی معیارات

نعت کے مافیہ(content) یا متن (text) کی اہمیت ہر قسم کی شاعری کے مافیہ سے زیادہ ہے۔نعت کے نفسِ مضمون کے فکری رشتے قرآن و حدیث سے بڑے گہرے ہیں۔اس لیے قرآن و حدیث کے مفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالنے کے ہنگام استنادی شان کو برقرار رکھنا اور متن کا شعری حسن بھی برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔تاریخ اسلام کے مستند حوالوں کو شعری پیکر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔اس موقع پر اپنے جذبات،اپنی خواہشات اور اپنے مذہبی تعصّبات کو قابو میں رکھتے ہوئے راہِ مستقیم پر چلنا اور وادیٔ نعت سے سرخرو گزر جانا بہت بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔کیوں کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ سچائی کا عنصر ہر سطح پر برقرار رہ سکے۔

شرعی معیارات،نعتیہ شعری سرمائے کو پرکھنے کے لیے سراجِ منیر کا حکم رکھتے ہیں۔ان کا شعور قرآن و حدیث،آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین،عہد نبوی کے شعراء کے کلام اور تاریخ کے بلاتعصب مطالعے سے پیدا ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”لَا یَجْمَعُ اللّٰہُ ھٰذِہِ لْاُمَّۃَ عَلیٰ الضَّلَالَۃِ اَبَدًا“ (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا)“۔(۱)

”اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلَی ضَلَالَۃِ فَاِذَا رَاَیْتُمْ اخْتِلَافاً فَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِالْاعُظَمِo (میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔اگر تم امت میں اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ موافقت لازم ہے)(۲)

مزید برآں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:**”یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّشَذَّ اِلَی النَّارِ** (اللہ کی رحمت اسی جماعت پر ہوگی جو اس جماعت سے جدا ہوگا سیدھا دوزخ میں جائے گا(جامع ترمذی،جلد دوم،ص۲۸،بِالزوم الجماعۃ)(۲۔الف)

ان احادیث کی روشنی میں امت کے سوادِ اعظم اہلِ سنت والجماعت کی مستند روایات اور صحاح ستہ اور احادیث و سیَر کی امہاتِ کتب کا مطالعہ کرنا شاعر کے لیے بھی ضروری ہے اور نقاد کے لیے بھی تاکہ دینی شعور کی روشنی میں شعری اقدار پرکھی جاسکیں کھرے خیال کو کھوٹے خیال سے ممیّز کیا جاسکے۔ اہلِ سنت والجماعت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کا اندازِ فکر خاصی حد تک (بلکہ ضروری حد تک) معروضی ہوتا ہے۔ وہ نہ تو کسی ولی اللہ کو برا جانتے ہیں اور نہ ہی کسی صحابیِ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں تمام ازواجِ مطہرات سے بھی محبت ہے اور وہ اپنے تعصب کی بنا پر اولادِ رسول ﷺ کی تعداد کو قصداً گھٹانے کی جسارت بھی نہیں کرتے۔ الحمدللہ! یہی طبقہ نعتیہ شاعری سے زیادہ شغف بھی رکھتا ہے۔ نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی کو معصوم عن الخطاء مان کر، نبی علیہ السلام کی طرح، واجب الاطاعت نہیں سمجھتے۔

شاعری میں جذبہ اور احساس ہی شعر کا جزو بن کر اس کا حسن بڑھاتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبے اور احساس کے ارتعاشات کو شعری پردے پر ابھارنے کا عمل انتہائی سچائی اور احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔

بدقسمتی سے اردو نعت میں غیر محتاط شعراء نے بہت سی ایسی روایات کو تلمیحاتی سطح پر عام کر دیا ہے جن کی اصل یا تو اسرائیلیات کی من گھڑت حکایات ہیں یا گمراہ فرقوں کی موضوعات۔ اس کی مثال جاننے کے لیے علامہ شہزاد مجددی کی تحقیقی کاوش کا نمونہ پیش کرنا ہی کافی ہوگا:

"الفقر وفخری و بہٖ افتخر"

......محمد شہزاد مجددی نے ایک بہت مشہور روایت **"الفقر وفخری و بہ افتخر"** (فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں) بے اصل بتاتے ہوئے امام ابنِ تیمیہؒ، العسقلانی، شیخ محمد پٹنی اور ان کے شیخ، حافظ ابن حجر اور محدث بریلوی حضرت احمد رضا خاںؒ وغیرہم کے حوالے سے اس روایت کو "موضوع" اور "باطل" لکھا ہے۔ اپنی تحقیق کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے فتاویٰ الرضویہ جلد ششم کے صفحہ نمبر ۱۲۶ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ (۳)

اسی طرح ایک دوسری حدیث نقل کر کے اس کے معانی کی تفہیم کے لیے بھی زعمائے حدیث

کے حوالے دیے ہیں۔ حدیث شریف ہے:

"اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین"

(اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما)۔ وہ لکھتے ہیں:

> "اس روایت کو امام ترمذی نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طریق سے روایت کیا ہے...... امام بیہقیؒ کہتے ہیں میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ رسول ﷺ نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے بلکہ آپؐ نے اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے۔ ایک اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور ﷺ کا فقر سے استعاذ اور پناہ مانگنا ثابت ہے اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ چناں چہ صحیحین میں فقر سے استعاذ کے الفاظ یوں مروی ہیں: **"اللھم اعوذ بک من فتنۃ الفقر"** ترجمہ: اے اللہ! میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں (بخاری الدعوات رقم ۵۸۹۱ مسلم فی الذکر والدعا رقم ۴۸۷۷)۔ سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی روایت میں دعائیہ کلمات یوں ہیں: **اللھم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر** (ابوداؤد......۴/۳۲۴ رقم ۵۰۹۰) ترجمہ: اے اللہ! میں کفر و فقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائقِ عبرت بھی ہے اور محلِ تنبیہ بھی۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے: **فقال رجل و یعتدلان؟ قال نعم** (الاحسان ۳/ رقم ۱۰۲۶) ترجمہ: ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے. **تعوذ وا باللہ من الفقر** (احمد رقم ۳/۱۰۸۷، ابنِ حبان، ۱/۲۳۹: رقم ۹۷۹) ترجمہ: فقر سے اللہ کی

پناہ مانگو۔سننِ نسائی میں ہے۔ **تعوذ وا من الفقر و فاقه**،ترجمہ:فقر وفاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔(نسائی:۵۴۷۵)......الغرض احادیثِ صحیحہ میں فقر سے پناہ ونجات اور براءت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔یہاں ایک بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضورﷺ نے اپنے لیے موجود، مذکور اور منصوص فضائل کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا ہر جگہ فرمایا ''ولا فخرٌ و لا فخر'' کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عبودیت اور تواضع فرمایا ہے''۔(۴)

اس لیے نعت گو شعراء نعتیہ ادب کے محققین اور شعرِ عقیدت کی تنقیدی سرگرمیوں سے وابستہ اہلِ قلم کو چاہیے کہ نبی علیہ السلام سے منسوب ہر روایت کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد قبول کریں۔کیوں کہ یہ معاملہ صرف بیان کی فصاحت اور بلاغت ہی کا نہیں ہے بلکہ ایمان کی حفاظت اور عقبیٰ کے مواخذے سے بچنے کا بھی ہے۔

نبی علیہ السلام سے جھوٹ منسوب کرنا

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدهٗ من النار(:جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا......متفق علیہ)...... **کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع .**

(کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے)۔(۵)

جدید عہد نے نعتیہ مضامین کو بڑی وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ان موضوعات میں کیا کیا شامل ہے؟اس طرح کی کوئی فہرست بنانا تو ممکن نہیں ہے لیکن ہم اس مسئلے کو چند احساساتی اور فکری ابعاد (dimensions) کے حوالے سے دیکھ سکتے ہیں۔واضح رہے کہ نبیءکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے تخاطب،آپﷺ سے محبت کا اظہار یا قرآنِ کریم کی کسی آیت یا کسی حدیث کا تلمیحاتی اشارہ متنِ نعت کا جزو بنے تو ایسی نعت براہِ راست نعت کے زُمرے میں آئے گی۔لیکن آپﷺ سے تعلق رکھنے والے ماحول یا مدائن،اشیاء و اشخاص کے ذکر سے اشعار کہے جائیں تو اسے ''بالواسطہ نعت'' کہا جائے

گا۔

۱۔حضورِ اکرمﷺ کی ذات کے جمالِ صوری کے حوالے سے بھی شعر کہے جاسکتے ہیں

۲۔حضورِ اکرم کے اسمائے مبارکہ کی معنوی تنویر سے بھی اشعار میں جگمگاہٹ پیدا کی جاسکتی ہے

۳۔حضورِ اکرمﷺ کے جمالِ معنوی یعنی اسوۂ مطہّرہ کے حوالے سے بھی اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے

۴۔شاعر،حضورِ اکرمﷺ کی الفت اور آپ کی اتباع کی آرزو کا اظہار بھی کرسکتا ہے

۵۔حضورِ اکرمﷺ کی تعلیمات کا ذکر بھی جزوِ نعت بن سکتا ہے

۶۔حضورِ اکرمﷺ کے اسوۂ حسنہ کی کسی ادا کا ذکر بھی نعت کی زینت بن سکتا ہے

۷۔حضورِ اکرمﷺ کا تعلق مع اللہ بھی نعت سے مترشح ہوسکتا ہے۔(ایسے تعلق کو صوفیا کرام نبیﷺ کی جہتِ ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر نبیﷺ کی ولایت کو ان کی جہتِ نبوت سے افضل جانتے ہیں......لیکن یہ بڑا نازک معاملہ ہے)۔

۸۔نبیﷺ کا تعلق مع الخلق بھی نعت کا موضوع ہے۔دراصل یہی نبوت کی غرض وغایت ہے۔نبی ہی تو خلق کو خالق سے متعارف کرواتا ہے اور خالق کے احکامات سے آگاہ کرتا ہے

۹۔نبیﷺ کی ذات کی عظمت کے حوالے سے بھی نعت میں روشنی پیدا کی جاسکتی ہے

۱۰۔نبیﷺ کے معجزات کے ذکر سے بھی نعت لکھی جاسکتی ہے

۱۱۔اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے نبی اکرمﷺ کے تعلق کا اظہار بھی نعت ہے

۱۲۔نبیﷺ کا اپنے اہل بیت یعنی آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعلق کا ذکر بھی مدحِ رسولﷺ ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

۱۳۔نبیﷺ کا اپنی آل کے ساتھ تعلق بھی نعت کا موضوع ہے

۱۴۔نبیﷺ کے اقوال یعنی حدیثِ پاک کے حوالوں سے بھی نعت مزین ہوسکتی ہے

۱۵۔نبیﷺ کے اعمال کے ملفوظی اظہار کو بھی نعت کہا جاتا ہے

۱۶۔ نبی ﷺ کے ایسے معاملات بھی نعت کا جزو بن سکتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے کسی کو کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا جس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی، تب بھی آپ نے منع نہیں فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کے ایسے رویئے یعنی ''سکوت'' کو اصطلاحاً ''تقریر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے

۱۷۔ حضورِ اکرم ﷺ کے غزوات کا ذکر بھی نعت ہے

۱۸۔ حضورِ اکرم کے خطبات کے منظوم اظہار کو بھی نعت کہتے ہیں

۱۹۔ حضورِ اکرم ﷺ کی بزم آرائی کے ذکر کو بھی نعت کہتے ہیں

۲۰۔ شاعر کی طرف سے اپنے غم کا استغاثے کی شکل میں اظہار بھی نعت ہے

۲۱۔ امت کی طرف سے استغاثہ پیش کرنے کا عمل بھی نعت ہے

۲۲۔ شفاعت طلبی کی التماس بھی نعت ہے

۲۳۔ خواب میں حضورِ اکرم ﷺ کے دیدار کی آرزو کا شعری اظہار بھی نعت ہے

۲۴۔ حضورِ اکرم سے نسبت رکھنے والے اشخاص، اصحاب، ازواج اور اشیاء کا ذکر بھی نعت ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال یا تاریخی حوالوں سے بات بالکل سچی ہو اور بیان میں اعتدال رہے۔

۲۵۔ ہر اس خطے کا ذکر بھی نعت بننے کا متحمل ہو سکتا ہے، جس میں حضورِ اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیوی میں قدم رنجا فرمایا (بالواسطہ نعت)

۲۶۔ مدینہ منورہ کا ذکر، اس تک رسائی کی آرزو اور اس شہر کی فضیلتوں کا بیان، سب نعت ہے (بالواسطہ نعت)

۲۷۔ گنبدِ خضریٰ کا تذکرہ بھی نعت ہے اور مسجدِ نبوی کا حوالہ بھی نعت ہے (بالواسطہ نعت)

۲۸۔ شاعر اپنے احساسات کی سچی عکاسی کرتے ہوئے حبِ رسول ﷺ کا اظہار کرے تو وہ بھی نعت ہی ہے۔

غرضیکہ اس موضوع کے ہزار ہا زاویئے ہیں۔ شاعر کے احساسات، اس کے قلبی احوال، ہجرِ نبوی کا اظہار، مدینہ طیبہ سے دوری کے احساس کا شعری مرقع، مدینہ پہنچ جانے پر اپنے نصیب پر رشک

اور حیرت واستعجاب میں ڈوب جانے کی کیفیت کا اظہار وغیرہ، سب ہی کچھ تو نعت کا موضوع بن جاتا ہے.........شرط صرف اتنی ہے کہ بیان میں اعتدال ہو، اظہار میں سچائی ہو، تلمیحات کا پس منظر بالکل درست اور مستند ہو۔ یعنی تلمیحات میں اشارتی بیان کی وضاحت قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ کرام اور تاریخ کے واقعات میں موجود ہو۔ اس طرح بیان کی سچائی کے شرعی تقاضے پورے کیے جائیں۔ اس سلسلے میں شاعر کے لیے موضوع اور من گھڑت روایات اور احادیث کی آگہی ضروری ہے تا کہ وہ کسی غلط بات کی ترویج واشاعت کا ذریعہ نہ بن سکے۔ نقاد کے لیے یہ سب جاننا بہت ضروری ہے۔

شاعروں کے لیے یہ بات بھی بہت اہم ہے کے کہ اگر وہ براہِ راست حضورِ اکرم ﷺ سے مخاطبہ کریں تو اس میں قرآنِ کریم کی ہدایات کو پیشِ نظر رکھیں۔ قرآن کریم میں ہے:

يَآ يُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْ فَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْالَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر نبی کی آواز کے اور نہ اونچی کرو اپنی آواز اس کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں بولتے ہو تم ایک دوسرے کے ساتھ، کہیں ایسا نہ ہو کہ غارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو) (٦)

ممنوعاتِ نعت

نعت کے اشعار کی شعری بُنَت میں شرعی حدود کا خیال رکھنے کے لیے کچھ امتناعی زاویوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً

۱۔ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس تصور کے منافی کوئی خیال شعر میں نہیں باندھنا چاہیے۔ اس نکتے کی تفہیم کے لیے ایک صوفیِ صافی دل شاعر رزی جے پوری کا ایک شعر نقل کر دینا ہی کافی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں:

محمدؐ کو خدا کہنا ، خدا کو مصطفا کہنا
یہ ہے ترکِ مدارج، شرک ہے، الزام وتہمت ہے (۷)

☆......حضورِ اکرم ﷺ، اللہ رب العزت کے بندے ضرور ہیں لیکن اللہ کی تمام مخلوقات میں

صرف آپ ﷺ کی ذات افضل ہے۔ع ...... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایسی صورت میں کسی اور کو آپ ﷺ کا ہم مرتبہ یا ہم رتبہ ظاہر کرنا۔ کسی خاص صفت میں نبی ﷺ کا شریک قرار دینا۔ صریحاً شرک فی النبوت ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات ہی صرف وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ صرف حضورِ اکرم ہی کی ذات ''معصوم عن الخطاء'' ہے۔ حضورِ اکرم کے قرابت دار، اصحاب اور ازواج سب ''محفوظ عن الخطاء'' ہیں۔ یہ نکتہ ضرور ملحوظ رہے۔

☆ ...... محض عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے خیال سے کسی فلمی گانے کی طرز پر نہ تو شعر کہے جائیں اور نہ ہی اس گانے کی دھن اپنائی جائے۔

☆ ...... حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا مطالبہ نہ کیا جائے کہ ''آپ ایک بار پھر دنیا میں تشریف لا کر ہماری حالتِ زار ملاحظہ فرمائیں''۔ کیوں کہ اسلام میں آپ ﷺ کی بعثتِ ثانی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ استغاثہ، بحدِ اعتدال پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ ...... انبیائے سابقین کی ذات سے حضورِ اکرم کی ذاتِ اقدس کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے کہیں ان انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا پہلو نہ نکلے۔ اس ضمن میں بہت احتیاط درکار ہے۔

☆ ...... کسی صحابی یا آپ کے کسی رشتہ دار امتی کا ذکر اس طرح نہ کیا جائے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں کی کامیابی کا سہرا ان کے سر باندھنے کی کوشش ظاہر ہو۔ یا یہ ظاہر ہو کہ اگر وہ صحابی نہیں ہوتے تو دین پھیلتا ہی نہیں۔ تمام اصحاب النبی ﷺ، ازواج النبی ﷺ اور بنی ﷺ کے ہاشمی قرابت دار، امت کے لیے محترم ضرور ہیں لیکن حضور ﷺ کے صرف خادم اور امتی ہیں۔

۞ ...... معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے فلک الافلاک کی سیر کرائی تھی۔ اسی بات کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ معراج کی تفصیلات قرآن کریم میں موجود ہیں اور تفاسیر میں معراج کی روایت صحیح احادیث کی روشنی میں بھی ملتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ''اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو دیدار کے لیے طلب فرمایا تھا'' بڑی بھاری غلطی اور ظلم ہے کیوں کہ اللہ کی شان ''البصیر'' کا استخفاف ہوتا ہے۔

۞ ...... معجزات کے بیان میں بھی صرف حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت کا خیال پیش کیا جائے،

کسی صحابی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے کسی معجزے کا تصور پیش کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

۞ ...... نعتیہ اشعار میں اصحاب النبی ﷺ، ازواج النبی ﷺ اور نبی علیہ السلام کے قرابت داروں کا ذکر مناقب کے اشعار کی صورت میں آ تو سکتا ہے۔ لیکن صرف اس لیے کہ ان اشعار سے حضور ﷺ ہی کی عظمت ظاہر ہو۔ ان حضرات میں سے کسی کا بھی حسنِ سیرت و کردار، کرامت، اور حسنِ معنوی، صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ کی تربیت اور فیضانِ نظر کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

تاریخی استناد کی روشنی میں نعتیہ اشعار کی پرکھ کے اصول

☆ ...... تاریخی واقعات کو بھی اپنے تعصب کی نذر نہیں کیا جانا چاہیے۔ حقائق کسی کے توڑنے مروڑنے سے چھپتے نہیں ہیں، البتہ ان کوششوں سے تفرقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں کذب و دروغ کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اس لیے شاعر کو چاہیے کہ قرآن وسنت اور احادیث کی مستند روایات، آثار اصحاب النبی ﷺ کے مستند احوال کے سامنے کسی ایسی روایت کو شاعری کا حصہ نہ بنائے جس میں غیر محسوس طور پر ''کذب'' کی آمیزش ہو۔ اس بات کی تفہیم کے لیے ایک مثال پیش کرنی ہے...... تاریخ میں لکھا ہے اور بہت لوگوں نے بغیر تحقیق یہ بات باور کر لی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بلندی پر نصب بت کو توڑنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ درایت کی رو سے بھی غلط ہے اور روایت بھی اس کی بالکل غلط ہے۔ علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے بروایت سنن ابی داؤد لکھا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور تھے لیکن علی بن ابی طالب نہیں بلکہ نواسہء رسول ﷺ، حضرت بی۔ بی۔ زینب رضی اللہ عنہا کے فرزند علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے:

''**فحمل علی بن ابی العاص علیٰ عاتقه** یعنی آپ ﷺ نے علی بن ابی العاص کو اپنے کاندھے پر اٹھایا''۔(۸)

رحمۃ للعالمین کے مصنف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے لکھا ہے:

''فتح مکہ کے دن یہی علی سبطِ رسول، نبی ﷺ کے ناقہ پر حضور کے ردیف تھے''(۹)

یہ تو صرف ایک مثال ہے تاریخ میں بے احتیاطیوں اور قصداً داخل کی جانے والی روایتوں کی وجہ سے آج امت میں انتشار ہے۔اس لیے شاعر کو ہر بات تحقیق کر کے اپنے شعر میں تلمیح کے طور پر اختیار کرنی چاہیے۔شاعر کے ذہن میں تاریخ اور حدیث کے متون کا فرق بھی رہنا چاہیے۔ جہاں تاریخ کا اندراج حدیث سے متصادم ہو، وہاں حدیث کو ترجیح دینا ضروری ہے۔اس لیے کہ حدیث کے متون کی چھان پھٹک تاریخ کے متون سے کہیں بہتر طور پر ہوئی ہے اور حدیث کی پرکھ کا کام کسی ایک فرد نے نہیں صلحاء کی ایک بڑی جماعت نے انجام دیا ہے۔جبکہ تاریخ کسی ایک فرد کی کوشش سے لکھی جاتی ہے۔اس کی استنادی شان حدیث کے مقابلے میں بہت کم ، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے ایک علاحدہ علم ''اسماء الرجال'' موجود ہے۔اس کے برعکس مورخ کی سیرت پر کوئی محاکمہ نہیں کیا جاتا ہے۔اس کے بیان کو بغیر تقابلی جائزے کے صحیح سمجھنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

☆.....شعری، شرعی، تاریخی اعتبار سے کمزور اور غیر ممکن الوقوع خیالی باتوں کی شعری مثالیں شعراء اور نقادانِ فن کی توجہ مبذول کروانے کی غرض سے چند ایک ایسی مثالیں پیش کر دینا ضروری ہے جن کی شعری بنت، قرآن، حدیث یا تاریخی سند سے متصادم ہے۔

قرآن کے صریح بیان سے متصادم شاعری کی مثال

ا......واقعہٴ معراج:

اردو نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ جس واقعے کو خیالی شاعری کے ذریعے روحِ قرآن کے خلاف شعری بنت میں لایا گیا ہے، وہ واقعہء معراج ہے۔اس کی بے شمار مثالیں نعتیہ ادب کا حصہ بن چکی ہیں۔قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے صاف بیان فرمایا ہے:

''(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تا کہ دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں''۔(۱۰)

اس کے علاوہ سورۂ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔نہ درماندگی ہوئی چشمِ (مصطفٰے) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔(۱۱)

ضیاالقرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری نے تفسیرِ مظہری کے حوالے سے لکھا ہے:

''یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالمِ ملکوت کی وہ عجیب وغریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفرِ معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سمٰوات ،انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ وغیرہا............ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں''۔(۱۲)

آیاتِ قرآنی کے ترجمے اور کچھ تفسیری حاشیئے سے سفرِ معراج کی غرض و غایت واضح ہو جاتی ہے۔لیکن ہمارے شعراء اس سفر سے عجیب وغریب باتیں منسوب کر کے اپنے اشعار کو چٹخارے دار بنانے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔مثلاً:

''کچھ اس انداز سے بختِ شبِ معراج چمکا ہے
اجالا تو اجالا ہے ، اندھیرا بھی اندھیرا ہے
جو پردہ مدتوں سے درمیاں تھا آج الٹا ہے
محمدؐ عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے
تمہارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے'' (۱۳)

درجِ بالا بند میں پہلے تین مصرعے ہلال جعفری کے ہیں۔ان مصرعوں میں بیان کی صفائی بھی ہے اور اعتدال بھی لیکن قمر جلالوی کے جس شعر پر یہ تین مصرعے لگائے گئے ہیں وہ معراجیہ ادب میں انتہائی رکیک شعر ہے۔حیرت ہے کہ قمر جلالوی نے جو غلطی کی تھی اس کو تضمین نگار نے خوبی جانا اور اس مبتذل شعر کی تضمین کر دی!

قمر جلالوی کا یہ شعر غزل کا محاکاتی بیان لیے ہوئے ہے اور رومانوی انداز کی شاعری کا نمونہ

پیش کر رہا ہے۔اس شعر میں نہ تو معراجِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی غرض وغایت کا لحاظ کیا گیا ہے اور نہ ہی واقعاتی صداقت کا پہلو سامنے رکھا گیا ہے۔یہاں تو ہر عیب سے پاک خالق کو اپنے مقدس اور پاکیزہ بندے اور رسول ﷺ سے ملتے ہوئے ایسے دکھایا گیا ہے کہ اس کی تشریح کرنے میں دینی حمیت اور غیرتِ ایمانی مانع ہے۔پھر اپنے رب سے ایسی بات بھی منسوب کر دی گئی ہے جو ہر قرینے سے ''کذب'' کے زُمرے میں آتی ہے۔قمر جلالوی کے شعر کا دوسرا مصرعہ اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ یہ قول، اللہ تعالیٰ کا قول بن کر سامنے آیا ہے......ع''تمہارا گھر ہے......الخ''۔

یہ تو ایک مثال ہے۔معراج کے حوالے سے نعتیہ شاعری میں بے شمار اشعار ایسے مل جائیں گے جن میں اللہ رب العزت کو حضورِ اکرم ﷺ کے دیدار کا تمنائی ظاہر کیا گیا ہے۔گویا [معاذ اللہ] اللہ تعالیٰ زمین پر چلتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس ضمن میں بڑے بڑے جغادریوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔علامہ قابل گلاؤٹھوی کا ایک شعر ہے جس کی تضمین ہلال جعفری نے کی:

''عرش پر نور کی قندیل سے چلتا ہے پتہ
عبد و معبود کی تشکیل سے چلتا ہے پتہ
آمدِ حضرتِ جبریل سے چلتا ہے پتہ
شبِ معراج کی تفصیل سے چلتا ہے پتہ
اپنے ہی حسن کے خود طالبِ دیدار ہیں آپؐ''(۱۴)

اس تضمین کے دوسرے مصرعے میں ''تشکیل'' کا لفظ ''عبد و معبود'' کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔تشکیل کے معنی ہیں شکل بنانا، صورت بنانا، خاکہ تیار کرنا، بنانا، مرتب کرنا، شکل دینا۔(اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ)۔معراج کے حوالے سے اللہ اور رسول ﷺ کی ملاقات کو تشکیل کا نام دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔

خیر یہ تو لسانی مسئلہ ہے۔قابل گلاؤٹھوی نے ''اپنے ہی حسن کے خود طالبِ دیدار ہیں آپؐ'' کہہ کر معراج کے واقعے کو عجیب رنگ دے دیا۔اب ذرا غور فرمائیے:

☆......''آپ'' کی ضمیر اگر حضورِ اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے، تب تو یہ مطلب ہوگا کہ

نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے!　ڈاکٹر عزیز احسن

حضور ﷺ کا حسن ہی اللہ تعالیٰ کا حسن بھی ہے اور آپ ﷺ اپنے ہی حسن کی طلب میں معراج پر تشریف لے گئے تھے۔اس طرح سوچنے سے دو نکتے زیرِ غور آئیں گے:

☆......حضور ﷺ کا حسن اصل ہے اور [نعوذ باللہ من ذالک] اللہ تعالیٰ کا حسن فروع۔

☆......معراج پر جنابِ رسالت مآب ﷺ اپنی مرضی سے تشریف لے گئے تھے۔

اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔پہلی بات اس لیے کہ اللہ کا وجود ''واجب'' ہونے کے بجائے ''ممکن'' ہونے کا احتمال پیدا ہوتا ہے......اور دوسری بات واقعاتِ معراج کے صریح خلاف ہے۔پتہ نہیں شاعر کو ''شبِ معراج کی تفصیل سے'' کیا پتہ چلا تھا؟

قمر عینی جیسے بالغ نظر شاعر نے جب معراج کی تلمیح کو متنِ شعر بنایا تو عجیب بات کہہ گیا:

''موسیٰ اللہ کے جلوؤں کے تمنائی تھے
اُنؐ کے دیدار کا اللہ تمنائی ہے''(۱۵)

اس شعر میں اللہ کو نعوذ باللہ دیدارِ محبوب، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محروم جان کر یہ خیال نظم کر دیا گیا ہے کہ ''اللہ بھی ان کے دیدار کا تمنائی ہے''۔اس طرح اللہ کی دو صفات کی نفی ہو گئی۔''البصیر'' اور ''الصمد''۔وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔اور وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔تمنا کرنا محتاجوں کا کام ہے، اللہ کا نہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کا معراج میں نعلین سمیت آسمانوں پر جانا:

حضورِ اکرم ﷺ کا معراج میں نعلین سمیت آسمانوں پر جانا، کسی مستند حدیث سے ثابت نہیں ہے۔لیکن شعراء نے اس مضمون کو خوب خوب باندھا ہے۔علامہ شہزاد مجددی نے ''نعت رنگ ۲۱'' میں اپنے مضمون بعنوان ''اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات'' میں، اس موضوع روایت کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے اور ایسے اشعار کی نشاندہی کرتے ہوئے شعراء کو محتاط رہنے کی تلقین کی ہے:

خود عرش نے بوسے لیے ایقان و ادب سے
کیسے ہو بیاں آپ کے نعلین کا عالم
(شاہ انصار الہٰ آبادی)(۱۶)

نقشِ نعلِ پاکِ سلطانِ امم
بدر بن کر عرش کے اوپر کھلا
ان کے نعلین کا مقام فلک
ان کے نعلین تک مری پرواز
(بشیر حسین ناظم)(۱۷)

علامہ شہزاد مجددی نے علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے حوالے سے بتایا ہے کہ......''معراج شریف کی کثیر روایات میں کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت پاپوش پہنے ہوئے تھے'' (نعت رنگ ۲۱،ص ۱۱۹)۔(۱۸)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معراج پر نعلینِ مبارک سمیت تشریف لے جانے سے متعلق حدیث کو ''محض جھوٹ اور موضوع'' قرار دیا ہے۔ (ایضاً ص ۲۴)(۱۹)

قرآن کریم کے واضح اعلان سے انحراف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو

''اَنَا بَشَرٌ زمانہ تم کو سمجھے، ہم نہ سمجھیں گے
بنائے کن فکاں تم، وجہِ تخلیقِ جہاں تم ہو'' (۲۰)

اس شعر کا متن، سورۂ حٰمٓ السجدہ کی درجِ ذیل آیت سے اخذ کیا گیا ہے۔

''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ...'' (اے نبیؐ ان سے کہیے کہ بس میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا بتایا جاتا ہے بذریعہ وحی مجھے کہ بس تمہارا معبود ایسا معبود ہے جو ایک ہی ہے)۔(۲۱)

محولہ بالا شعر میں حضورِ اکرم ﷺ کی بشریت سے انکار کے لیے شاعر نے قرآن کے الفاظ دہرانے کے بعد اپنا موقف بیان کیا ہے۔ اللہ مرحوم شاعر کی غلطی معاف فرمائے (آمین)!

حدیثِ قدسی سے انحراف کی مثال

حدیثِ قدسی وہ حدیث کہلاتی ہے جو قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی تلاوت

قرآنِ پاک کی طرح کی جاتی ہے۔ لیکن اس حدیث کا ''متن'' اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ یعنی:

''حدیثِ قدسی وہ کلام ہے جس کے الفاظ تو رسولِ اکرم ﷺ کے ہوں اور اس کے معانی الہام یا خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتلائے ہوئے ہوں''۔(۲۲)

اس وضاحت کے بعد یہاں ایک حدیثِ قدسی نقل کی جاتی ہے:

''كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَا حُبِبْتُ عَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ ا لْخَلْقَ''

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو خلق کو پیدا کیا میں نے)''۔ (۲۳)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے لیے ''چھپا ہوا خزانہ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس حدیث کا علم ہمارے شعراء کو بھی ہے۔ لیکن بعض شعراء، حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کو درجہء الوہیت پر فائز دیکھنے اور دکھانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اسی لیے وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے ان کی تمنا بھی پوری ہو جائے اور نبی علیہ السلام کو، براہِ راست ''الہٰ'' کہنے کی تہمت سے بھی بچ سکیں۔ ایسی ہی ایک کوشش ملاحظہ ہو:

''آپؐ سے ظاہر ہوا ہے حسنِ ربِ ذوالجلال
کنت کنزاً کا خزانہ آپؐ ہیں بس آپؐ ہیں'' (۲۴)

اس شعر میں شاعر نے ''کنت کنزاً کا خزانہ'' کہہ کر ''اللہ رب العزت'' کے بجائے نبیِ کریم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کو مخاطب کیا ہے۔ نعتیہ شاعری میں اس طرح کے مضامین باندھنا کوئی مستحسن عمل نہیں ہو سکتا۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

حدیثوں کی صحیح روایت کے بجائے خیالی مضمون باندھنے کی مثال

بخاری، مسلم، بیہقی، ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ روایات نقل کی ہیں جن کی رو سے آپ ﷺ کے ''دونوں شانوں کے درمیان بلند گوشت تھا''، یہ مہرِ نبوت تھی۔(۲۵)

ان روایتوں کے برعکس شاعر نے مہرِ نبوت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

سرکارؐ کی جبیں پہ رسالت کی مہر تھی

سینے پہ ثبت ختم نبوت کی مہر تھی (۲۶)

ظاہر ہے یہ تخیلاتی شعر ہے اور حقیقت سے بہت دور جا پڑا ہے۔

شاعرانہ خیال کو واقعہ بنا کر پیش کرنے کی مثال

ایسے اشعار پیش کرنے سے پیشتر ڈاکٹر عندلیب شادانی کا عام شاعری پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

’’معاد کا عقیدہ تو اکثر مذاہب میں پایا جاتا ہے لیکن قیامت کب آئے گی اس کی تعیین کسی نے نہیں کی...... ہمارے شعراء خصوصاً چوٹی کے غزل گو جس درجہ حساس واقع ہوئے ہیں، وہ ظاہر ہے۔ بھلا ان سے اس غیر معین حالت کی برداشت کہاں ممکن تھی اور وہ کب تک انتظار کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی خیالی دنیا بنائی اور اس دنیا میں پہنچنے کے لیے فرضی طور پر یا تو جلاد محبوب کی چھری سے ہلاک ہوئے یا پھر اس کے جور و ستم کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدی۔ پھر قیامت قائم کی۔ حشر و نشر کے سامان ہوئے۔ خدائی دربار سجایا اور داورِ محشر کے سامنے فریاد لے کر پہنچے۔ چوں کہ یہ حضرات شاعر ہونے کی حیثیت سے گویا ایک ہی ’’امت‘‘ کے افراد ہیں۔ اسی لیے حشر میں سب کو تقریباً ایک ہی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں‘‘۔ (۲۷)

ڈاکٹر عندلیب شادانی نے غزل کے ایسے اشعار پر طنز کیا ہے، جو حشر میں عاشق کی فریاد پیش ہونے پر محبوب کے خجل ہونے کے تخیلاتی مضامین کے حامل تھے۔ ایسے مضامین باندھنا روایتی غزل گوؤں کا بھی شعار رہا ہے اور جدید دور میں بھی کہیں کہیں یہ مضامین نظر آ جاتے ہیں۔ اس کے باوجود غزل میں تخیلاتی شاعری کرنا، واقعاتی حوالے سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، بہت زیادہ معیوب نہیں ہوتا۔ لیکن نعت ایک مقدس صنفِ سخن ہے۔ یہاں بیان کی صداقت لازمی ہے۔ چاہے وہ لمحاتی صداقت ہی کیوں نہ ہو۔ شعر گوئی کے وقت جو کیفیت شاعر پر غلبہء عشقِ رسول ﷺ کی طاری ہو جائے وہ بھی لمحاتی صداقت کے ذیل میں آتی ہے۔ چناں چہ اس خاص کیفیت کے اظہار کو بھی صداقت ہی کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔ تاہم اس لمحاتی کیفیت کو اسی دنیاوی زندگی کا عکاس ہونا چاہیے۔ حشر و نشر کے تخیلاتی بیان کو واقعاتی سطح پر بیان کرنے سے گریز لازم ہے۔ ورنہ شاعر خواہ مخواہ دروغ گو قرار پائے گا۔ ایسی

باتوں پر عاقبت میں گرفت بھی ہو سکتی ہے۔ درجِ ذیل اشعار پر ذرا غور فرمائیے:

’’دفن کر کے جب مرے احباب آقا ﷺ چل دیئے
آ کے جلوؤں سے لحد کو جگمگایا شکریہ
پیاس ابھی بڑھنے بھی پائی تھی نہ میری حشر میں
جام کوثر تم نے خود آ کر پلایا شکریہ
عیب محشر میں کھلا ہی چاہتے تھے میں نثار
ڈھک کے پردہ اپنے دامن میں چھپایا شکریہ
سوئے دوزخ جب ملائک مجھ کو لے کر چل دیئے
میں ترے صدقے مجھے آ کر چھڑا یا شکریہ
شکریہ کیوں کر ادا ہو آپ کا یا مصطفیٰ ﷺ
کہ پڑوسی خلد میں اپنا بنایا شکریہ (۲۸)

درجِ بالا اشعار خالصتاً تصوراتی واقعات پر مبنی ہیں۔ شاعر کا اس دنیا سے رخصت ہو کر لحد میں چلے جانا اور وہاں حضور ﷺ کا جلوہ افروز ہونا۔ شاعر کا یومِ حشر حضورِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے کوثر کا پیالہ پینا۔ شاعر کے عیبوں کی حضور ﷺ کے ہاتھوں ستر پوشی ہونا۔ شاعر کے بارے میں دوزخ کا فیصلہ ہو جانا اور حضورِ اکرم ﷺ کا شاعر کو فرشتوں کے چنگل سے چھڑانا۔ حضورِ اکرم ﷺ کا شاعر کو اس سخت گھڑی میں سہارا دینا اور جنت میں لے جا کر اپنے پڑوس میں جگہ عطا کرنا...... کیا یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے؟...... جواب نفی میں ہی ہوگا!...... پھر ان احوال کو اس طرح بیان کیوں کیا گیا کہ شاعر پر گزرے ہوئے واقعات معلوم ہوں؟...... اس کی وجہ شاعر کی نفسی کیفیت ہے اور کچھ نہیں۔ ہو سکتا ہے شاعر نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ شاعر نے اپنے احوال کا تصوراتی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو!...... بہر کیف، کچھ بھی ہو، بیان میں صداقت کا عنصر قطعی نہیں ہے۔ شاعر ابھی اسی دنیائے آب و گل میں ہے تب ہی تو شاعری کر رہا ہے...... اور اس دنیا میں یہ تمام احوال پیش آنا ممکن نہیں .... ان تمام اشعار میں کوئی قرینہ نہ تو خواب کا ہے اور نہ ہی شاعر کی تمنا کا اظہار ہوا

ہے۔ اگر شاعر اپنی تمنا کا اظہار کرتا تو صیغہء مستقبل میں بات کرتا اور درخواست کرتا ہوا نظر آتا کہ آقا ﷺ! مجھے آپ کی ذاتِ والا صفات سے ایسی ایسی عنایات کی توقع ہے! اے کاش ایسا ہوجائے! اس کے برعکس تمام اشعار میں شاعر حضور ﷺ سے براہِ راست مخاطب ہے اور عنایاتِ خسروانہ پر آپ ﷺ کا ''شکریہ'' ادا کر رہا ہے۔

شکریہ نعمتیں حاصل ہوجانے کے بعد ادا کیا جاتا ہے......اور یہاں یہ تمام نعمتیں ابھی شاعر کو حاصل ہی نہیں ہوئی ہیں......ایسی صورت میں شاعر نے غیر ارادی طور پر حضورِ اکرم ﷺ کا شکریہ ادا کر کے اپنے لہجے کو [نعوذ باللہ] طنزیہ بنالیا۔ کیوں کہ زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں، اکثر و بیشتر اپنی توقعات پوری نہ ہونے پر طنزاً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ نیتوں کا حال تو اللہ جانتا ہے۔ ہم تو صرف ظاہر پر حکم لگا سکتے ہیں۔ حدیث شریف ہے ''**نحن نحکم بالظاهر والله يتولى السرائر**'' (ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سرائر کا ذمے دار ہے، یعنی باطن سے اللہ واقف ہے)۔

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی میرے آقاؐ نے عزت بچالی
فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپالی (۲۹)

واضح رہے کہ فردِ عصیاں دنیا میں کسی کے ہاتھ نہیں لگتی۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ‌ؕ وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا ○ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ‌ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ○

''اور ہر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ لٹکا دی ہے ہم نے اس کی تقدیر اس کی گردن میں۔ اور نکالیں گے ہم اس کو دکھانے کے لیے روزِ قیامت ایک نوشتہ، پائے گا وہ جسے کھلی کتاب کی مانند۔ پڑھ اپنا اعمال نامہ۔ کافی ہے تو خود ہی آج اپنا حساب لگانے کے لیے'' (آیات ۱۳۔۱۴، سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، پ۱۵) (۳۰)

ان آیاتِ قرآنی کی موجودگی میں، قیاس پر مبنی کوئی بھی، ڈرامائی انداز کا بیان، کسی بھی صورت مستحسن نہیں ہوسکتا۔ شاعر کا خیال، الفاظ کی بندش اور شعر کی مجموعی فضا کے حوالے سے منصہء شہود پر آتا

ہے۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک واقعے کی صورت میں مرئی (Visual) بنایا گیا ہے۔ عوامی سطح پر تو اقبال عظیم کا یہ شعر بہت مقبولیت پاچکا ہے لیکن اہلِ علم کے نزدیک اس میں سقم ہے۔

مزید برآں، قیامت میں سزا سے بچنے میں گناہ گاروں کی عزت بچنے کا نہیں، ان کی چمڑی (کھال) بچنے کا سوال ہوگا۔ سزا سے جان بچتی ہے عزت بچے یا نہ بچے۔ بھلا گناہ گار کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے؟......گناہگار کی رسوائی کا ذکر تو سزا کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔ اس بیان میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گناہ گار اپنے آپ کو بڑا عزت دار سمجھ رہا ہے...... یہ احساس، تکبر کے ذیل میں آسکتا ہے۔ اللہ مرحوم کی اظہاری لغزش معاف فرمائے (آمین)!

ایک اور زاویے سے دیکھیں تو ''عزت بچالی'' کہنے سے کسی کی اپنی عزت بچتی ہے اور ''عزت بچادی'' کہنے سے کسی دوسرے انسان کی عزت بچانے کا تاثر قائم ہوتا ہے۔ یہاں غیر ارادی طور پر شاعر نے کہہ دیا ہے کہ ''میرے آقاؐ نے عزت بچالی'' یعنی [نعوذُ باللہ] آقا ﷺ نے اپنی عزت بچالی۔ حال آں کہ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ آقا ﷺ نے میری عزت بچادی۔

پیر نصیر الدین خالص صوفیانہ سرمستی میں ایک شعر میں ایسی منظر کشی کر گئے ہیں کہ ہر گناہ گار امتی کو یہ منظر کشی بہت اچھی لگتی ہے۔ نعتیہ محافل میں ان کا یہ شعر جھوم جھوم کر پیش بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ شعر مبنی بر حقیقت (Fact) نہیں ہے۔ اس میں صرف شاعرانہ سچائی (Poetic reality) اور صوفیانہ احوال کی حقیقت منعکس ہے۔ نعت میں اس طرح کی احوالی شاعری سے عوام کا عقیدہ کہاں محفوظ رہ سکتا ہے؟......شعر ملاحظہ ہو:

کیوں نہ پلڑا مرے اعمال کا بھاری ہو نصیرؔ
اب تو میزان پہ سرکارؐ بھی آئے ہوئے ہیں (۳۱)

اس شعر میں قیامت میں ہونے والا منظر پیش کیا جارہا ہے۔ حال آں کہ قیامت کی آمد کا علم نہ تو جبریلِ امین کو تھا اور نہ ہی سرکار علیہ السلام نے اس کے قیام کی کوئی مدت بتائی۔ شاعر نے اپنی دنیاوی زندگی میں ہی یہ شعر کہا تھا اور ہر شاعر اسی دنیا میں شعر کہہ سکتا ہے۔ اس دنیا میں قیامت کا واقعاتی احوال بیان کرنا کہاں تک درست ہے؟

اسی قبیل کا ایک شعر افتخار عارف نے بھی کہا ہے۔ بلکہ اس میں تو براہِ راست حضورِ اکرم ﷺ کی ذات سے ایسی بات منسوب کردی ہے جس کا صرف تخیلاتی ھیولیٰ ہی شاعر کے ذہن میں آسکتا تھا۔

یہ سر اٹھائے جو میں جارہا ہوں جانبِ خلد
مرے لیے مرے آقاؐ نے بات کی ہوئی ہے(۳۲)

عام طور پر کسی دنیاوی عہدہ دار سے کسی کو کوئی کام نکلوانا ہوتا ہے تو وہ کسی بڑے آدمی سے سفارش کروا دیتا ہے۔ اس طرح کام کے اگلے مرحلے اس آدمی کے لیے آسان ہوجاتے ہیں۔ افتخار عارف صاحب نے بھی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے معاملات کو دنیاوی افسر شاہی کے تناظر میں دیکھا اور بیان کردیا ہے۔ حال آں کہ یہ صرف شاعرانہ بیان ہے۔ اس میں Poetic reality تو ہے لیکن واقعاتی سچائی کا اس شعر سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ آرزو کرنا ہر آدمی کا حق ہے لیکن آرزو کو واقعہ بنا کر نبیِ کریم علیہ السلام سے منسوب کردینا بہت بڑی جسارت ہے۔

اختیاراتِ نبوت کا من مانا تصور

نعت گو شعرا میں عام مرض یہ پیدا ہوگیا ہے کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کی محبت کا اظہار اس انداز سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے تمام اختیارات نعوذُ باللہ مسدود ہوگئے ہوں۔ بڑی واضح حقیقت ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا حساب لے کر ان کے لیے جنت یا جہنم کا فیصلہ فرمائے گا اور کسی کو اس کی جناب میں کسی کی سفارش کی جراءت نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ خود نبیءِ کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو یا کسی اور نبی یا ولی کو کسی کے حق میں سفارش کی اجازت دے دے گا تو شفاعت بھی مؤثر ہوجائے گی۔

اب ملاحظہ ہو کہ بعض شعراء ''یومِ حساب'' اور آخرت کا ذکر کس طرح کرتے ہیں:

صائم چشتی کہتے ہیں:

ہے تو بھی صائمؔ عجیب انساں کہ روزِ محشر سے ہے ہراساں
ارے تو جن کی ہے نعت پڑھتا وہی تو لیں گے حساب تیرا(۳۳)

شاعر نے حضور رحمۃٌ للعالمین کی ذات سے اپنے زعم میں یہ خیال منسوب کردیا ہے کہ اسے

کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے رسول اللہ ﷺ کی نعت پڑھنے کے صلے میں خود حضورِ اکرم، اللہ تبارک تعالیٰ سے حساب کتاب کا اختیار لے لیں گے اور شاعر کو............ بلکہ نعت خواں تو اس میں اور بھی اضافہ کرتے ہیں............ارے تو پڑھتا ہے......ارے تو سنتا ہے نعت جن کی......تو گویا نعت پڑھنے اور سننے والوں کو تو حساب کتاب سے ڈرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ تو ہیں ہی رحمۃً للعالمین۔ جنھوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا۔ بھلا وہ اپنے امتیوں کو کیوں نہ معاف فرمائیں گے؟؟؟............اس شعر کی تو بنت بھی بہت کمزور ہے۔ لیکن اس وقت صرف اس کے متن (Text) پر تھوڑی سی گفتگو کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب کے کُلی اختیار کے استعمال کی طرف سورہء فاتحہ میں ہی ''مالک یوم الدین'' فرما کر اشارہ کردیا ہے۔ تفسیرِ ابنِ عباسؓ میں ہے:

''**مالک یوم الدین﴿قاضي یوم الدین و هو یوم الحساب و القضاء فیه بین الخلائق 'ای یوم یدان فیه الناس باعمالهم لا قاضی غیره**''

''**مالکِ یوم الدین** '' جزاء کے دن کا مالک ہے، ساری مخلوق کا فیصلہ کرنے والا، اس دن ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس کے سوا اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ہوگا''۔(۳۴)

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ ''**مالک یوم الدین**'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کان کھول کر سن لو وہ دن آنے والا ہے جب سطوت و جبروت کے سب موہوم پیکر مٹ جائیں گے۔ اکڑی ہوئی سب گردنیں جھک جائیں گی۔ ظاہر و باطن میں اسی کی فرمانروائی ہوگی جو حقیقی فرماں روا ہے......کتنی افسوسناک حقیقت ہے کہ وہ امت جس کے دین کے بنیادی عقائد میں روزِ جزاء پر ایمان لانا ہے۔ میدانِ عمل میں اس کی غالب اکثریت میں اس ایمان کا کوئی اثر محسوس نہیں کیا جاتا۔ وہ روز حساب اور مکافاتِ عمل کے قانون سے یوں غافل ہیں گویا کسی نے انھیں یہ بات بتائی ہی نہیں''۔(۳۵)

اب ذرا سوچیے: قرآنِ کریم کی پہلی سورۃ ''ا لفاتحة'' کی تیسری آیت تک اگر شاعر نہ سمجھتا ہو، یا جان بوجھ کر اس کو نظر انداز کر رہا ہو، تو کیا اسے نعت کہنے کا کوئی حق ہے؟؟؟

اس موقع پر ایک بات اور صاف کرتا چلوں۔ بعض لوگ صوفیانہ شطحیات کے اظہار میں بے باک ہوتے ہیں۔ شطحیات کیا ہیں؟ یہ جاننے کے لیے ہم نے سرِ دلبراں دیکھی تو وہاں لکھا ہے:

''شطحیات: جمع ہے شطح کی۔ یہ وہ کلمات ہیں جو صوفیائے کرام کی زبان سے مستی وشوق وغلبہء حال میں بے اختیار صادر ہوجاتے ہیں۔ جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر باطناً کسی سِرّ کی جانب ان میں اشارہ ہوتا ہے۔ گو ہر شخص ان اشارات کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے۔ اس قسم کے کلمات کے متعلق مشائخین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روش یہ ہے کہ انھیں نہ رد کرتے ہیں نہ قبول، تاوقتیکہ سمجھ نہ لیں''۔(۳۶)

شاہ سید محمد ذوقیؒ کی درجِ بالا عبارت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم شاعر کے اشعار کو نہ تو قبول کرتے اور نہ ہی رد کرنے کی جسارت کرتے.....لیکن یہ معاملہ کائنات کی سب سے سچی اور بعد از خدا بزرگ ہستی جنابِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حوالے سے نہ صرف بیان ہوا تھا بلکہ مشتہر بھی ہوا (کسی کتاب کی طباعت کا مرحلہ بقائمِ ہوش وحواس ،ہی پیش آتا ہے) اس لیے ہم پر لازم ہوگیا کہ اس کی طرف کچھ تنقیدی اشارے کردیں تا کہ کتاب پڑھنے والوں اور عوامی سطح پر ان اشعار کو دہرانے والوں پر حقیقتِ حال کھل جائے۔ شعراء بھی اپنی شاعری میں ایسی باتوں کے اظہار سے گریز کریں اور نقادانِ فن بھی ایسے معاملات میں چوکنے رہیں۔

ایک شاعر نے حضورِ اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کے غم کی کیفیت کا خیالی بیان شعروں میں ڈھالا ہے اور ان کو دلاسہ دینے کے لیے حضور ﷺ کی صداؤں کا بار بار آنا ذکر کیا ہے۔ ان صداؤں کا سنا جانا ممکن تو تھا لیکن یہ کسی مستند حدیث میں مذکور نہیں۔ ثانیاً ان صداؤں میں جو تمنائیں اظہار پذیر ہوئی ہیں وہ مزاجِ نبوت سے متصادم ہیں۔ عجیب بات کہ شاعر نے تخیلات کی دنیا سجاتے ہوئے اپنی عاقبت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ وہ لکھتا ہے:

''کھا کر پچھاڑیں روتی تھیں زہرا جو زار زار
آتی تھیں مصطفیٰؐ کی صدائیں یہ بار بار
بیٹی ! مرے کلیجے کے ٹکڑے ، ترے نثار

نورِ نگاہ میرے نواسوں سے ہوشیار
مہلت ملے تو دونوں کی شادی رچائیو
دولھا دلھن کو میری لحد پر بھی لائیو(۳۷)

افسوس! حضورِ اکرم ﷺ کی مت کے شاعر، مزاجِ رسالت سے آگاہ نہیں ہوسکے! انہیں نہیں معلوم کہ حضور ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے ناممکن الوقوع باتوں کا صدور نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کا یہ مقام بھی قطعی نہیں ہے کہ وہ بہت چھوٹی چھوٹی خواہشات کا اظہار فرمائیں اور وہ بھی کب، جب اس دنیا سے پردہ فرما جائیں! بھلا ننھے معصوم بچوں کی شادی کا خیال قرینِ قیاس ہوسکتا ہے؟ لاریب ہٰذا بہتان العظیم!

اصل حقیقت کیا تھی؟ ....حضورِ اکرم ﷺ نے پردہ فرمانے سے چند یوم قبل حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ خبر دیدی تھی کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ سے ملیں گی! الخصائص الکبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی نے حدیث بیان کی ہے:

''طبرانی وبیہقی رحمہما اللہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرض میں بلایا اور ان سے راز کی کچھ دیر باتیں فرمائیں اور وہ رونے لگیں اس کے بعد ان سے کچھ دیر اور راز میں باتیں فرمائیں اور وہ ہنسنے لگیں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے پہلی مرتبہ تو یہ خبر دی کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کا دور کراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا ہے......اور مجھے خبر دی کہ کوئی نبی نہیں ہوا مگر اس کے بعد نبی آیا اور اس نے نصف عمر اس کے ساتھ گزاری اور نصف عمر اس کے بعد گزاری ......اور فرمایا: اے بیٹی! مسلمان عورتوں میں سے کوئی عورت مصیبت میں تم سے اعظم نہیں ہے تو تم صبر میں ادنیٰ عورت نہ ہونا۔ اور دوسری مرتبہ جو مجھ سے راز میں گفتگو کی تو اس میں مجھے خبر دی کہ میں آپ کی اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ سے ملوں گی......اور فرمایا تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو بجز اس کے جو مریم بنتِ عمران رضی اللہ عنہا سے تعلق رکھتی ہو، اس بنا پر میں

ہنس پڑی‘‘۔(۳۸)

اس مستند روایت کی موجودگی میں نہ تو یہ ممکن ہے کہ حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ایسے بین کیا ہو جیسے شاعر نے لکھا ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی پیاری بیٹی کو اس کے بچوں کی شادی کرنے اور ان کی دلہنوں کو اپنی لحدِ مبارک پر لانے کی تلقین فرمائیں۔

بچوں کی شادی کا شوشہ تو خود شاعر نے اپنی ذہنی اختراع سے چھوڑا ہے۔ورنہ حضورﷺ نے تو پہلے ہی بتادیا تھا کہ اولاد کے سنِ بلوغ کو پہنچنے سے قبل ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا چھوڑ دیں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔حضرت فاطمہ کا وصال ۱۱ھجری میں ہوگیا۔پھر ایسی خواہشات [بچوں کی شادی] کا اظہار زبانِ نبوت سے کروانا کس قدر قبیح اور لائق گرفت فعل ہے اس کا اندازہ راسخون فی العلم ہی کو ہوسکتا ہے۔

مسئلۂ امتناعِ نظیر

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے’’مَلأ اعلیٰ پر حضورﷺ کا اسم مبارک‘‘۔اس عنوان کے تحت ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ہم وہ حدیث من وعن یہاں پیش کرتے ہیں:

’’حاکم ،بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ نے’’صغیر‘‘میں اور ابونعیم اور ابنِ عساکر رحمہم اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے التجا کی’’اے رب! بہ حقِ محمدﷺ مجھے بخش دے‘‘۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:’’تم نے محمدﷺ کو کس طرح جانا؟‘‘ عرض کیا:’’جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جان آفرینی کی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرشِ اعلیٰ کے ستونوں پر **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا ہے۔تو میں نے جان لیا کہ جس ذاتِ اقدس کا نام نامی تیرے اسم گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ ومحترم ہوگا‘‘۔

ربِّ عظیم نے فرمایا:’’اے آدم! تم نے ٹھیک سمجھا۔اگر محمدﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تم کو

پیدا کرتا نہ کائنات کو‘‘۔حدیثِ قدسی ہے۔اللہ عزَّ وجل فرماتا ہے ’’**لو لاک لما خلقت الافلاک**‘‘۔اس حدیثِ قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالم اجساد صدقہ ہے وجودِ باجود جنابِ محمد رسول اللہﷺ کا‘‘۔(۳۹)

گو بعض علماء نے اس’’لولاک‘‘والی حدیثِ قدسی پر کلام بھی کیا ہے تاہم نفسِ مضمون پر بیشتر کا اتفاق ہے۔راقم الحروف نے عربی، فارسی اور اردو کے بیشتر شعراء کے ایسے اشعار دیکھے ہیں جن میں حضورِ اکرمﷺ ہی کو حصر کے ساتھ’’وجہِ وجودِ کائنات‘‘ لکھا ہے۔یہاں موقع نہیں ہے ورنہ ایسے سیکڑوں اشعار نقل کیے جاسکتے ہیں۔شعراء، ادباء، مغازی نویسوں، سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں کے اجماعی مسئلے کو اردو کے ایک شاعر، بیدمؔ وارثی نے صوفیانہ شطح کے تحت ایک شعر لکھ کر متنازعہ بنانے کی ناکام کوشش کی۔قوالوں نے اس شعر کی تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔رشید وارثی نے وہ شعر اپنے مضامین میں نقل کیا ہے۔شعر ہے:

بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنسأ ، حسینؓ و حسنؓ ، مصطفیٰؐ ، علیؓ(۴۰)

اس شعر میں حدیثِ قدسی کے برعکس حضورِ اکرمﷺ کی ذات کے علاوہ چار اور مقدس ہستیوں کو’’مقصودِ کائنات‘‘ قرار دیا گیا ہے۔گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پانچ مقدس ہستیوں میں سے ایک تھے اور شعر میں مذکور مقدس ہستیوں میں بھی چوتھے نمبر پر!............میں اسے’’شرک فی النبوت‘‘ کی مثال قرار دیتا ہوں۔

رشید وارثی نے اپنی کتاب’’اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ‘‘ کے صفحات ۳۴ سے ۳۹ تک اس مسئلے پر اپنا موقف بیان کیا ہے اور اس شعر کی تائید میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن اپنی تحریر میں نہ تو مذکورہ بالا مفہوم کی کوئی حدیث ہی پیش کرسکے اور نہ ہی کسی اور شاعر کا کوئی ایسا شعر حوالہ دینے کے لیے انھیں میسر آیا۔حد ہے کہ انہوں نے اپنا بھی کوئی شعر نقل نہیں کیا۔اس کے برعکس ان کی کتاب میں جابجا اس حقیقت کا اظہار ہوا ہے کہ’’مقصودِ کائنات‘‘ صرف اور صرف حضورِ اکرمﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۹ پر وہ لکھتے ہیں:

’’باعثِ تخلیقِ کائنات، فخرِ موجودات، مظہرِ شان کبریا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ’’**انک لعلیٰ خلق عظیم**‘‘۔(۴۱)

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ رشید وارثی نے بیدم وارثی کے شعر کی تعریف وتوصیف میں اوراس کے نفسِ مضمون کی صحت ظاہر کرنے میں زورِ قلم صرف تو کر دیا لیکن خود ان کے لاشعور میں حقیقتِ محمدیہ ﷺ ٹھیک ٹھیک بیٹھی ہوئی ہے اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب میں مقصودِ کائنات صرف حضور علیہ السلام کو جانا اور لکھا ہے۔

راقم الحروف کو اس شعر پر گفتگو کرتے ہوئے ۱۸۲۰ء میں مولوی اسماعیل دہلوی کی کہی ہوئی ایک بات یاد آرہی ہے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے علامہ اقبال کی کتاب ’’جاوید نامہ‘‘ کی شرح میں لکھا ہے:

’’برصغیر میں انگریزی دور کی چھتری کے تحت بعض ہندوستانی مسلمانوں نے جو طرح طرح کے اختلافی مسائل کھڑے کر دیئے تھے ان میں سے ایک یہ مسئلہ رحمۃ للعالمین بھی تھا اور ایک عالم جن کا نام محمد اسمٰعیل تھا اس مسئلے پر خاص طور پر بحثیں کررہے تھے وہ چاہتے تھے جس طرح اللہ نئے جہان پیدا کرسکتا ہے نئے رحمتِ عالم بھی پیدا کرسکتا ہے۔ یہ اس کے لیے مشکل نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کا اور پیغمبر پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے۔ اس طرح ہر جہان کے لیے ایک الگ رحمتِ عالم ہوسکتا ہے۔ جبکہ قرآن نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی جملہ عالموں کی رحمت قرار دیتا ہے۔ اس لیے کسی اور جہان میں کسی نئے رحمتِ عالم کے وجود کا ہونا ممکن نہیں۔ جہان چاہے لاکھوں ہوں رحمتِ عالم سب کے لیے صرف ایک ہی ہے جس کو خود خالقِ کائنات نے رحمۃً للعالمین یعنی جملہ جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے اور وہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘‘۔(۴۲)

غالبؔ نے بھی مولانا فضلِ حق خیرآبادی کے اصرار پر ایک مثنوی ’’امتناعِ نظیر‘‘ لکھی تھی۔ حالی نے یادگارِ غالب میں یہ پورا واقعہ بھی درج کیا ہے۔ وہیں غالبؔ کا یہ شعر بھی درج ہے:

’’منشاءِ ایجادِ ہر عالم یکیست
گر دو صد عالم بود خاتم یکیست‘‘(۴۳)

راقم الحروف نے بیدم وارثی کے مذکورہ شعر کو مسئلۂ امکانِ نظیر سے جوڑا تو روح کانپ گئی۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے ’’خاتم النبیین‘‘ کا منصب حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی یکتائی کا مظہر ہے۔ محولہ حدیثِ قدسی بھی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہی کو مقصودِ کائنات ٹھہراتی ہے۔ ان شواہد اور اجماعِ امت کے تناظر میں بیدم وارثی کا شعر عقیدے کے طور پر قبول کر لینا حضورِ اکرم ﷺ کی یکتائی کے تصور کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے اس طرح کے خیالات سے شعراء، علماء اور سیرت نگاروں کو اجتناب کرنا چاہیے۔ نقادوں کا بھی فرض ہے کہ اس قسم کے متون کی بنت پر شعراء کی اصلاح کی غرض سے گرفت کریں۔

واضح رہے کہ بعض خانقاہوں میں تفضیلی خیالات کی خوب خوب تشہیر کی جاتی رہی ہے۔ بیدم وارثی کا شعر بھی اسی روش کا شاخسانہ ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کا نکتۂ نظر واضح کرتے ہوئے اشعار کہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

اولیں دافعِ اہلِ رفض و خروج
چارمی رکن ملت پہ لاکھوں سلام
ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج
حامیء دین و سنت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار کی شرح میں مولانا غلام حسن قادری لکھتے ہیں:

’’سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے رافضیوں اور خارجیوں [دشمنانِ صحابہ و اہلِ بیت] کے ساتھ باقاعدہ جنگ کرکے ان کے فتنوں کا قلع قمع فرمایا اور ملتِ اسلامیہ کے چوتھے خلیفہء راشد اور دین کا مضبوط ستون بن کر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی‘‘ ......’’رافضیت وخارجیت چاہے وہ ناصبیت کی شکل میں ہو یا تفضیلیت کی شکل میں ان تمام کی بدعقیدگیوں کا خاتمہ کرکے دینِ اسلام اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی حمایت کرنے والے مولیٰ علی پہ لاکھوں سلام‘‘(۴۴)

اس لیے عرض ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے اصحاب یا ان کے قرابت داروں کی محبت لاکھ ابھارے، عقیدہ درست رہنا ضروری ہے۔ حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقام کو بڑھا کر اللہ کے

مرتبے پر پہنچانا بھی گمراہی ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کے مرتبے کے برابر کسی اور کا مرتبہ ماننا بھی گمراہی ہے۔نبی کریم کی شانِ یکتائی پر جس بات سے بھی حرف آتا ہو، وہ مرتبہء رسالت کے استخفاف کا باعث ہوگی۔اس لیے ہر نعت گو شاعر کا فرض ہے کہ ایسے خیالات منظوم کرنے سے اجتناب کرے نعت خواں بھی ایسے اشعار پڑھنے سے گریز کریں اور ہر نقاد کا فرض ہے کہ ایسے خیالات جس بیت یا نظم میں نظر آئیں ان پر قرینے سے تنقید کرے۔

اللہ کے ذاتی نام کے غلط تلفظ کی مثال

قمر رعینی لکھتے ہیں:

''[میں نے] لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر ا لاَّ نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے یعنی ع اللہ کو ا لاَّ نہیں اللہ کہا(۴۵)

مجھے بھی اس بات پر اصرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کو مخفف نہیں کرنا چاہیے، چاہے شعری ضرورت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس فعلِ قبیح سے بچنا لازمی ہے۔اللہ کا لفظ پانچ حرفی ہے(بروزن مفعول) اور اس کا ہر لفظ پورا پڑھا جاتا ہے۔اس لیے اسے کسی طور چار حرفی (بروزن فعلن) بنا کر نہیں لکھنا چاہیے۔

''کبریا'' کا بے محل استعمال

کبریا کا لفظ ہمارے ہاں بڑے بڑوں نے ''اللہ'' کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہے۔ شعراء نے کبھی اس طرف دھیان نہیں دیا کہ ''کبریا'' کو پہلے پہل جس نے بھی اللہ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہوگا اس نے عربی قاعدے سے ناواقفیت کی بنا پر یا اپنے غلط اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا ہوگا۔ حال آں کہ یہ صرف صفت ہے اسمِ صفت نہیں ہے۔قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف دو بار آیا ہے۔سورۂ یونس اور الجاثیہ میں:

۱۔وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط ......

اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری اس ملک میں۔(۴۶)......

۲۔وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ص......

اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔(۴۷)

قرآن کریم کی درجِ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کبریا بڑائی کو کہتے ہیں ''بڑے'' کو نہیں۔اللہ کے لیے ''اکبر'' بھی اسمِ ذات (اللہ) کے ساتھ کہا جاتا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ غلطی اتنی عام ہوئی کہ اردو لغت بورڈ، کراچی، میں بھی ''کبریا'' کے معنی خدا تعالیٰ کے صفاتی نام کے ہی دیئے ہیں۔حال آں کہ اسی لغت میں اس لفظ کے معنی بزرگی، عظمت، شان و شوکت، جاہ و جلال، قدرت اور فضیلت بھی رقم ہیں اور میر کا یہ شعر بھی درج ہے جو اس لفظ کے بالکل درست استعمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

''میر ناچیز مشتِ خاک اللہ
ان نے یہ کبریا کہاں پائی''(۴۸)

ان حقائق کی روشنی میں ''کبریا'' کو اللہ کے صفاتی نام کے طور پر برتنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

میٹھے نبی ﷺ:

ایک صاحب نے بلا سوچے سمجھے حضورِ اکرم کے لیے میٹھے نبی ﷺ کی ترکیب استعمال کی۔میٹھا، اشیاء کی شیرینی کے لیے تو استعمال ہوتا ہے۔افراد کے لیے اس کے استعمال میں خوبی کم اور ذم کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم میں لفظ ''راعنا'' کے استعمال کی ممانعت کے ذریعے واضح فرمان جاری کر دیا ہے کہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ''ذو معنی'' ہو اور جس میں اچھائی اور برائی کے دونوں معنی پائے جاتے ہوں۔اس لیے میٹھے نبی ﷺ کہنا بھی حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔پہلے مطلع ملاحظہ فرمائیں:

''عرشِ علیٰ سے اعلیٰ میٹھے نبی ﷺ کا روضہ
ہے ہر مکاں سے بالا میٹھے نبی ﷺ کا روضہ''(۴۹)

جس نعتیہ غزل کا مطلع اوپر درج کیا گیا ہے اس کے بارہ اشعار ہیں۔اس طرح ''میٹھے

نبی ﷺ'' کی ترکیب تیرہ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔اب لفظ ''میٹھے'' کے وہ استعمالات ملاحظہ فرمائیے جو افراد کے لیے ہوں تو کیا معانی دیتے ہیں:

میٹھا: ا۔(کنایتہً) وہ شخص جس کی باتیں اور حرکتیں عورتوں کی سی ہوں، زنان منتری، زنانہ، زنخا، ہیجڑا (فرہنگِ آصفیہ)......۲۔ میٹھا ٹھگ: میٹھی میٹھی باتیں بنا کر ٹھگنے والا یار، دغا باز، بددیانت، جھوٹا دوست، بے ایمان دوست؛ ٹھگوں کے اس فرقے کا آدمی جو میٹھا تیلیا (ایک زہر) کھلا کر مسافروں کو ہلاک کرتا اور لوٹ لیتا ہے، میٹھے والا (پلیٹس ؛ فرہنگِ آصفیہ؛ مخزن المحاورات)۔۳۔میٹھی چھری: ا۔(مجازاً) دشمن نما دوست، وہ شخص جو دوستی کے پیرائے میں دشمنی کرے، وہ شخص جو بظاہر دوست اور بباطن دشمن ہو، ظاہر میں خوشنما اور اصل میں مضرت رساں۔(۵۰)

اس میں کچھ شک نہیں کہ ''میٹھا'' اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو حلیم الطبع، بردبار، دھیمے مزاج کا آدمی ہو اور جسے غصہ نہ آئے ......لیکن یہ بات طے ہے کہ جس لفظ میں برائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو وہ خیر البشر جنابِ رسول اللہ، علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور روحِ قرآن کے منافی ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے استعمال سے ازحد گریز کی ضرورت ہے۔

مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا استعمال

حضورِ اکرم ﷺ کے ورودِ مسعود سے قبل جو شہر ''یثرب'' کہلاتا تھا وہ آپ ﷺ کی آمد کے بعد ''مدینۃ النبی ﷺ'' ہوگیا۔اس لیے نعت گو شعراء کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں۔ پھر اس لفظ کے معانی بھی اچھے نہیں ہیں۔بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کو ''یثرب'' کہنے کی ممانعت آئی ہے۔اس موضوع پر رشید وارثی کی کتاب میں ایک تفصیلی مضمون بعنوان ''مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(۵۱)

قرآن کریم میں سورۂ احزاب [۳۳] کی آیت نمبر ۱۳ میں لفظ یثرب، منافقین کے قول کے طور پر آیا ہے:

وَاِذْقَالَتْ طَّآ ئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

(اور جب کہ ان (منافقوں) کی ایک پارٹی (یعنی اوس بن قبطی اور اس کے ساتھیوں) نے

کہا۔اے یثرب والو! (یہاں) یہاں تمہارے قیام کا کوئی موقع نہیں۔(۵۲)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیری حاشیے میں لکھا:

''بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا: یہ طابہ ہے۔حضور ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے پسند نہیں فرمایا کیوں کہ یثرب کا لفظ ثَرَبَهٗ ، يَثْرِبُهٗ اور ثَرَّ بَهٗ اور ثَرَّبَ عَلَيْه اور اَثْرَبَهٗ سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعَلَ يَفْعَلُ اور تَفْعِيْل اور افعال سے ہوتا ہے) اور ثرب ہو یا اثراب یا تثریب سب کا معنی ہے ملامت کرنا، عار دلانا، کسی جرم پر ذلیل کرنا اور مُثْرِبُ اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔قاموس''۔(۵۳)

نبیِ اکرم ﷺ کو شہنشاہ کہنا

بخاری شریف میں ''باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک وتعالیٰ'' کے تحت ایک حدیث آئی ہے:

''قال قال رسول الله ﷺ اخنى الاسماء يوم القيٰمة رجل تسمى ملك الاملاک'' (حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ نام اس شخص کا ہوگا جو ''ملک الاملاک'' کہلاتا ہوگا۔ ملک الاملاک کے معنی ''شاھانِ شاہ'' لکھے ہیں۔ (۵۴)

اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر مرتبہ پانے کا بیان

شاعر کا خود کو کسی طرح بھی نبی ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ وعلیہم اجمعین کے برابر سمجھنا یا لکھنا انتہائی بے ادبی ہے۔صحابیت کا رتبہ جن کے نصیب میں تھا انہیں مل چکا اب کوئی بھی یہ رتبہ نہیں پاسکتا۔امت کا بڑے سے بڑا ولی بھی یہ دعویٰ کرے تو اسے ہم صرف اور صرف شطحیات کے ذیل میں رکھیں گے۔مثال کے طور پر ایک شاعر نے کہا:

''قریبِ حضرتِ محبوبؐ داور ہوتے جاتے ہیں
بقاؔ اب آپ سلمانؓ و ابوذرؓ ہوتے جاتے ہیں''(۵۵)

اس شعر میں جو دعویٰ ہے وہ روحانی واردات کے لحاظ سے کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو، شعر بہر حال مبالغہ آمیز ہی تصور کیا جائے گا اور شاعر کا دعویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ دیگر شعراء کو بھی مشورہ دیا جائے گا کہ اس قسم کے مبالغے سے اجتناب کریں۔ نقادانِ فن بھی ایسے اشعار پر گرفت کریں گے۔

روزِ جزا کی پرسش سے بے خوفی

نبیِ اکرم ﷺ کی طرف سے روزِ جزا اپنے امتی کی شفاعت کرنے کا معاملہ صدفی صد اللہ کے ''اذن'' پر منحصر ہے۔ اللہ رب العزت نے خود فرمادیا ہے:

''مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اِذْنِهٖ ط'' (۵۶)

''نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اس (اللہ) کی اجازت کے''

ایسی صورت میں کسی شاعر کا یہ کہنا کہ میری شفاعت تو ہو ہی جائے گی اس لیے مجھے روزِ جزا کی پرسش کا کوئی خوف نہیں ہے، بہت بڑی جسارت ہے۔ امید بڑی اچھی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے نا امیدی سے منع بھی فرمایا ہے۔ لیکن کسی تصور کو قطعیت کے ساتھ اس طرح شعری بنت میں لانا کہ قیامت سے امت کے گناہگار بے خوف ہو جائیں، قطعی مناسب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک شعر کی تضمین کے تین مصرعے اور وہ شعر، یعنی خمسے کا ایک بند پیشِ خدمت ہے:

''گنہ کا غم نہیں حافظ ، خطا کا غم نہیں حافظ
ہلال اعمالِ بد کی انتہا کا غم نہیں حافظ
یہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو سزا کا غم نہیں حافظ
مجھے کچھ پرسشِ روزِ جزا کا غم نہیں حافظ
کرم سرکار کا غالب ہے میرے بارِ عصیاں پر'' (۵۷)

جنت طلبی سے صریحاً گریز اور جنت کا استخفاف

زاہدا! باغِ رضواں مبارک تجھے ، زاہدا! حور و غلماں مبارک تجھے
مجھ کو کوئے حبیبِ خدا چاہیے اور درِ احمدِ مجتبیٰ چاہیے

(کلیاتِ ریاض سہروردی، ص580)(۵۸)

تیری چاہت میری چاہت میں یہ زاہد فرق ہے
تجھ کو جنت چاہیے ، مجھ کو مدینہ چاہیے

(ایضاً ص۵۸۷)(۵۹)

جنت کی تحقیر کرنا بیشتر شعراء کا شعار ہے۔ حال آں کہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی جنت ہی میں تشریف فرما ہوں گے۔ اور مؤمنین کے لیے بھی آپ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے تو جنت میں بھی آپ ﷺ کا قرب پانے کی تمنا کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لا اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ O

(تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کر دی گئی ہے ان کے لیے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ اللہ کا فضل [و کرم] ہے، عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے......ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)۔(۶۰)

حضرت ابوھریرہؓ کی روایت ہے:'' اَنَّ رَسُوْ لَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: كُلُّ اُمَّتِىْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى'قَالُوْا: وَمَنْ يَّا بِىْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؟قَالَ: مَنْ عَصَانِىْ فَقَدْ اَبٰى'' (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ، [جنت کا] انکار کون کرے گا؟ فرمایا: جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت سے انکار کیا)۔ (المستدرک، محمد بن عبداللہ الحاکم، نیشاپوری، جلد اول: ص۱۱۸، حدیث: 182)(۶۱)

اب، فیشن کے طور پر جنت میں جانے سے انکار کرنے والے شعراء خود سوچیں کہ وہ اپنے

شعروں میں کس نعمت سے انکار کے مرتکب ہوتے ہیں؟؟؟؟

ذم کے پہلو

شعر کے شرعی پہلوؤں کا دھیان رکھنے والے شعراء ایسے الفاظ برتنے سے اور اظہار کے ایسے زاویوں سے اجتناب کرتے ہیں جن میں کسی بھی صورت ''ذم'' کا شائبہ ہو!

تری حدیث ترے روبرو سناؤں تجھے
یہ آرزو ہے کبھی آئینہ دکھاؤں تجھے (۶۲)

......اس شعر میں ''تری حدیث ترے روبرو سناؤں'' کہنے سے بات مکمل ہوگئی۔اس لیے ردیف [تجھے] بے کار پڑی۔

......کسی کو اس کی بات سنانے کا مطلب ہے کوئی وعدہ یاد دلانا۔جیسے داغ نے اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہا تھا:

وفا کریں گے نباہیں، بات مانیں گے
تمہیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا؟

اس طرح وعدہ یاد دلانے سے طنز کا پہلو نکلتا ہے جس کی نعتیہ شاعری میں گنجائش نہیں۔

......نعت میں صیغہء واحد حاضر (جیسے ''تو''، ''تم''، ''تیرا'') کے استعمال کو شعری ضرورت کے تحت میں جائز سمجھتا ہوں لیکن یہاں شاعر کا لہجہ انتہائی بے تکلفانہ ہوگیا ہے جو نعتیہ شاعری کے لیے غیر مناسب ہے۔

......غزل کے اشعار میں آئینہ دکھانے کے دو پہلو نکلتے ہیں، ایک ''شوخی'' اور دوسرا ''طنز''۔ مؤمن کے دو اشعار سے بات سمجھنے میں آسانی ہوگی:

شکستِ رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انھیں وقتِ خمار آئینہ
سیاہ رو نہ کرے ترک الفتِ گُل فام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ

ان اشعار کی تشریح کی ضرورت نہیں۔زور اس بات پر دینا ہے کہ آئینہ دکھانے کا اندازِ تخاطب کسی بھی طرح کوئی مثبت پہلو نہیں رکھتا ہے۔اس لیے مدحت نگار شعراء کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔

شاعرانہ تعلی

شعری ادب میں شاعرانہ تعلی کا پایا جانا ایک معمول کی بات ہے۔لیکن نعت میں تعلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔اس شعری وادی میں داخل ہونے والوں کو یہاں کے تقدس کا احساس ہوتا ہے یا ہونا چاہیے اس لیے یہاں بڑے بڑے شعراء اپنے اشعار میں عجز کا اظہار کرتے ہیں۔البتہ بعض نعت نگاروں نے اس مقدس صنف سخن کی تخلیق کے حوالے سے بھی تعلی کے مضامین باندھنے کی جسارت کی ہے۔اس سلسلے میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے تو توفیقِ مدح مصطفےٰ ﷺ حاصل ہونے پر کچھ فخر کیا جا سکتا ہے، لیکن بعض شعراء کے یہاں تعلی کا ویسا ہی شاعرانہ غرّہ ٹپکتا ہے جیسا کہ غالب کے درجِ ذیل شعر سے مترشح:

''ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما''

(اے غالب، ہم تو اس مقام و مرتبے (شاعر ہونے) پر راضی نہ تھے۔خود شاعری نے یہ خواہش کی کہ وہ ہمارا فن بن جائے)۔(۶۳)

رشید وارثی کی کتاب میں ''اردو نعت اور شاعرانہ تعلی'' کے عنوان سے ایک بھرپور مضمون موجود ہے۔لیکن اس میں انہوں نے شعری مثالیں دیتے ہوئے شعراء کے نام حذف کر دیئے ہیں۔بہر حال اس موضوع پر ان کی تحریر لائق مطالعہ ہے۔رشید وارثی نے تخلص حذف کر کے ایک شعر نقل کیا ہے، جسے یہاں مثال کے طور پر مع ان کے تبصرے کے پیش کیا جاتا ہے:

''خود بینی و خود ستائشی انسان کو کس قدر خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے، اس کا اندازہ تعلی پر مبنی اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

(تخلص) شرف ملا ہے یہ نعتِ رسول ؐ سے
جس جا ہے ان کا نام، وہیں تیرا نام ہے''(۶۴)

اعجاز رحمانی کا ایک شعر ہے:

''کوئی حسانؓ ہے کوئی اعجاز ہے
کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپؐ کے''(۶۵)

اس شعر پر ذرا غور فرمایئے کہ شاعر موصوف نے خود کو صحابی اور شاعرِ رسول ﷺ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برابر ظاہر کرکے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے کیسے اچھے، معتبر، بڑے، قادرالکلام اور عظیم شعراء، آپ ﷺ کی مدحت میں مصروف ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی مدح سرائی کی توفیق مل جانا ایک بہت بڑی سعادت ہے لیکن کسی شاعر کو اس دربار میں اس طرح کی تعلی کی جسارت قطعی نہیں کرنی چاہیے۔ شاعر نعتیہ شاعری کرکے پیروِ حسانؓ ضرور ہوگیا ہے لیکن حضرت حسانؓ کا ہم مرتبہ نہ ہوا ہے، نہ ہوسکتا ہے۔ اس شعر میں ''آپ ﷺ'' کی ضمیر کو ''تخاطب'' سمجھا جائے تو بات انتہائی درجہ گستاخی آمیز ہوجاتی ہے۔ کیا حضورِ اکرم اپنی مدح کے سلسلے میں کسی شاعر کے محتاج ہیں؟...... کیا خالقِ کائنات نے ان کی توصیف قرآن میں کچھ کم بیان کی ہے؟...... کیا حضرتِ حسانؓ نے کبھی کوئی تعلی آمیز شعر کہا تھا؟...... سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ پھر ایک ادنیٰ شاعر کو ایک عجمی زبان میں کچھ نعتیہ اشعار کہہ لینے پر ایسے ہی بغلیں بجانی چاہئیں؟...... بہرحال دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ رب العزت شاعر کو توبہ کی توفیق بخشے (آمین)۔

نعتیہ شعری تخلیقات پر مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی کا تبصرہ

ڈاکٹر سراج احمد قادری نے مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی کے فتاویٰ کی روشنی میں نعتیہ شاعری پر شرعی گرفت کی مثالیں پیش کی ہیں۔ مثلاً رام پور سے معشوق علی صاحب نے کچھ اشعار درج کیے اور اعلیٰ حضرت سے ان کے مافیہ (Content) کے ضمن میں سوال کیا۔ اشعار درجِ ذیل ہیں:

اٹھا کر میم کا پردہ سب الا اللہ کہتے ہیں
احد میں میم کو ضم کرکے صلی اللہ کہتے ہیں
ظہور ہوکر کے دنیا میں یہ فرمایا کہ بندہ ہوں
تو سب ناسوت میں حضرت رسول اللہ کہتے ہیں
ہوئے ممکن سے جب واجب نبی ملکوت میں پہنچے

وہاں سب دیکھ احمد کو ظہور اللہ کہتے ہیں
جو پہنچا مرتبہ جبروت میں مسجود عالی کا
تو اس جسم مطہر کو وہ نور اللہ کہتے ہیں
الست مرتبہ لاہوت سمجھو ذات احمد کا
سب اس رتبہ میں آنحضرت کو عین اللہ کہتے ہیں
خدا فرمائے گا محشر میں بخشا لو تم اب احمد
گنہ گارانِ امت کو شفیع اللہ کہتے ہیں
نزول از تا عروج حضرت کا لکھا ہے حقیقت سے
خدا پہچان لو سب سے حسن اللہ کہتے ہیں

اعلیٰ حضرت کا جواب ملاحظہ ہو:

''ان اشعار کا پڑھنا حرام، سخت حرام ہے۔ ان میں بعض کلمۂ کفریہ ہیں اگرچہ تاویل کے سبب قائل کو کافر نہ کہیں اور بعض مُوہِمِ کفر ہیں اور یہ بھی حرام ہے۔ ردالمختار میں ہے۔ **مجرد ایهام المعنی المحال کاف فی المنع** ۔ ہاں بعض جیسے شعر چہارم و ششم ایہام کفر سے خالی ہیں۔ پھر ششم میں مصرع دوم ''گنہ گارانِ امت الخ'' کو حضرت عزت کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔ اور چہارم میں مسجود کا لفظ مناسب نہیں''۔(۶۶)

حال [حقیقت] اور قال [صرف بیان] کا فرق

نعتیہ شاعری میں حال [حقیقت] اور قال [صرف بیان] کا پہلو کو اجاگر کرنے کی غرض سے ڈاکٹر سراج احمد قادری نے امام احمد رضا خاں کا ایک واقعہ لکھا:

''ایک حافظ صاحب جو حضور پرنور امام اہل سنت قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے تھے کچھ کلام بغرضِ اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی۔ سنانا شروع کیا۔ درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں کھانا پینا، سونا سب موقوف ہوگیا ہے۔ کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علیٰحدہ نہیں ہوتی۔ اعلیٰ حضرت قبلہؒ نے فرمایا...... حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی محبت میں آپ فنا ہوچکے ہیں، اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمایئے جھوٹ اور کون سی سرکار میں؟ جنہیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے ما کان وما یکون کا کوئی ذرہ نہ

چھپایا...... اوراس کے بعد اس قسم کے اشعار کٹوا دیئے''(۶۷)

غیر محتاط عقیدت

نعتیہ موضوع کی حساسیت پر ماہرالقادری نے اپنے نعتیہ مجموعے ''ذکرِ جمیل'' کے دیباچے میں چند باتیں کی تھیں۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد نے لکھا ہے کہ:

''ماہرؔ نے غلط اور موضوع روایات کو نظم کرنا، بانیٔ اسلام کو عبد کے دائرے سے خارج کر کے الوہیت میں شریک کر دینا، رسول ﷺ کو احمد بے میم کہنا وغیرہ، غلط کاریوں کو مشرکانہ بدعات کے زمرے میں شامل کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

> یہ دیکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ شاعری کا تاریک پہلو نعت ومنقبت میں بھی نمایاں ہو کر رہا۔ بہت سی غلط، موضوع اور بے سروپا باتیں شاعری کی بدولت مسلمانوں میں پھیل گئیں۔عقیدت اور محبت کے غیر محتاط جوش میں اس قسم کے تمام چٹخاروں کو لوگ گوارا کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان چٹخاروں نے مستقل عنوانات کی صورت اختیار کر لی۔اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ محبت عقیدت اور پرستش میں بہت ہی نازک فرق ہے۔غیر محتاط عقیدت پرستش بن جاتی ہے..................''۔(۶۸)

خلاصہءکلام

نعت گوئی کے ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ اس شاعری کے لیے صرف تخلیقی وفور کافی نہیں ہے بلکہ موضوع کی نزاکتوں سے آگاہی اور اس آگاہی کی روشنی میں شرعی معلومات کا لطیف اظہار بھی ضروری ہے۔کیوں کہ نعتیہ شاعری تخلیقی ادب (Literature of Power) اور معلوماتی ادب (Literature of knowledge) کے امتزاج سے ظہور پزیر ہوتی ہے۔یہ شاعری (تخلیق کے لمحات میں) احساساتی سطح پر وجدانی کیفیات کے اظہار و بیان میں علمِ شریعت کے بھرپور شعور کا تقاضا کرتی ہے۔نعتیہ ادب سے انسلاک رکھنے والے تمام طبقات کو اس بات کی اہمیت کا احساس رہنا ضروری ہے۔شعراء کو شعر کہتے ہوئے، نعت خوانوں کو نعت خوانی کے لیے کلام کا انتخاب کرتے ہوئے اور ناقدین کو نعتیہ ادب پرکھتے ہوئے۔اللہ کرے ہمارے ان معروضات سے کسی شاعر، کسی نعت خواں اور کسی نقاد کا دل، نعتیہ متن کی شعری نزاکتوں سے آگاہی کی طرف مائل ہو اور اصلاحِ احوال کی فضا بن سکے(آمین)!

سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ نعت کہنے والے تمام شعراء بلا قیدِ مذہب ومسلک ''حُبِّ رسالت

مآب ﷺ'' کے اظہاری زاویوں کے ذریعے ایک ہی صف میں آجاتے ہیں۔اس لیے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی اتباع کا دم بھرنے والوں کو عزیز رکھتا ہے اسی طرح اس کے بندوں کو بھی چاہیے کہ نعت کہنے والے ہر مسلک ومذہب سے منسلک شاعر کو سچا اور پکا مسلمان سمجھیں۔کیوں کہ حُبِّ رسول ﷺ ہی ایک ایسا مرکزی جذبہ ہے جس کے زور پر، امتِ مسلمہ، اختلافات کی دلدل سے نکل کر ایک امت ہونے کا ثبوت فراہم کر سکتی ہے۔غیر مسلم نعت گو شعراء کے لیے دعا گو رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی ہدایت کی روشنی عطا فرمادے(آمین)!

☆☆

مآخذ ومنابع

۱۔امام حاکم، المستدرک، ج اول، کتاب العلم، حدیث نمبر ۳۹۱، ص ۲۳۰

۲۔ابنِ ماجہ حدیث نمبر: ۳۹۳۹، ج ۲، ص ۵۶۰

۲۔الف۔جامع ترمذی شریف، جلد دوم، ابواب الفتن، حدیث نمبر ۳۸، ص ۲۸

۳۔نعت رنگ شمارہ ۲۰، ص ۱۱۳ ۴۔ایضاً، ص ۱۱۵

۵۔ایضاً ص ۱۱۲ ۶۔القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۲

۷۔رزمی جے پوری، جواہر النعت، (فیڈرل بی ایریا، کراچی) ۱۹۸۱ء، ص ۶۲

۸۔حبیب الرحمٰن صدیقی، علامہ، کاندھلوی، ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول''، (الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، مکان نمبر ۳۔۷۔اے، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی) س۔ن۔ص ۲۲۳ ۹۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ، ج دوم، (مکتبہء اسلامیہ، اردو بازار لاہور) جون ۲۰۰۶ء، ص ۹۵۔

۱۰۔القرآن ۱:۱۷

۱۱۔القرآن النجم آیات ۱۶ تا ۱۸ ۱۲۔ضیاء القرآن، ج پنجم، ۲۵

۱۳۔ہلال جعفری، کشکولِ ہلال، (بزمِ شعر وادب، اسلام آباد)، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۰ ۱۶۔ایضاً ص ۲۳۸

۱۴۔ایضاً ص

۱۵۔قمر رعینی، ولائے رسول ﷺ، (کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی کینٹ) اشاعت اول رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ص ۸۹

۱۶۔شاہ انصار الٰہ آبادی، نعت رنگ ۲۱، ص ۱۱۹

۱۷۔بشیر حسین ناظم،نعت رنگ ۲۱،ص ۱۱۹ ۱۸۔نعت رنگ ۲۱،ص ۱۱۹

۱۹۔ایضاً ص ۲۴

۲۰۔بقا نظامی عظیم آبادی،شہپرِ جبرئیل،(مطب المرکز شفا،فیڈرل بی ایریا،کراچی) جنوری ۱۹۹۲ء،ص ۱۰۹

۲۱۔القرآن ۶:۴۱

۲۲۔احادیثِ قدسیہ،مکتبہ رحمانیہ(اردو بازار،لاہور) س۔ن۔ص ۱۴

۲۳۔ظہور الحسنین شاہ،سید، ظاہر یوسفی تاجی،(ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی،مشن روڈ،کراچی) ۱۹۶۲ء،ص ۵۱......ذوقیؒ،سرِ دلبراں،(نارتھ ناظم آباد،کراچی)ص ۴۶۰

۲۴۔شہپرِ جبرئیل،ص ۸۴

۲۵۔جلال الدین سیوطی، امام، الخصائص الکبریٰ فی معجزات الوریٰ، ج اول (مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ،لاہور)۲۰۰۶ء،ص ۱۸۰

۲۶۔غوث متھراوی،بلاوہ،(ڈیفینس اتھارٹی فیر فائیو،ایکس ٹینشن،کراچی) نومبر ۱۹۹۲ء،ص ۵۵

۲۷۔عندلیب شادانی،ڈاکٹر،دورِ حاضر اور غزل گوئی،(شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور)۱۹۵۱ء،ص ۹۷

۲۸۔عطار،محمد الیاس،مغیلانِ مدینہ،(مکتبۃ المدینہ،شہید مسجد،کھارادر،کراچی) س۔ن۔ص ۴۱

۲۹۔شاہ محمد ذوقی،سرِّ دلبراں،(محفل ذوقیہ،نارتھ کراچی) طبع پنجم ۱۴۱۸ھ،ص ۲۳۲

۲۹۔زَبورِ حرم،اقبال عظیم۔فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپالی (۲۹)

۳۰۔آیات ۱۳۔۱۴،سورۃ بنی اسرآئیل ۱۷،پ ۱۵

۳۱۔پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی ۳۲۔افتخار عارف

۳۳۔صائم چشتی

۳۴۔تفسیر ابنِ عباسؓ،ترجمہ:مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر قادری بدایونیؒ،فرید بک سٹال،لاہور،جلد اول،ص ۱۱

۳۵۔ضیاء القرآن،جلد اول،ص ۲۳ ۳۶۔سرِّ دلبراں،ص ۲۳۲

۳۷۔نسیم امروہوی،مسدس نسیم مشتمل بر نعت و رحلت رسول کریمؐ،(ناشر سید علی امروہوی،فیڈرل بی ایریا کراچی) س۔ن۔ص ۸۷

۳۸۔الخصائص الکبریٰ،ج دوم،ص ۵۸۶ ۳۰۔ایضاً ج اول ص ۵۱

۳۹۔ایضاً

۴۰۔رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،شریعت اسلامیہ کے تناظر میں،(نعت ریسرچ سینٹر، کراچی) اپریل ۲۰۱۰ء،ص ۳۱۱ ۴۱۔ایضاً ص ۴۹

۴۲۔ا۔د۔نسیم،ڈاکٹر،شرح جاوید نامہ،(شیخ محمد بشیر اینڈ سنز،لاہور) س۔ن۔ص ۱۷۷

۴۳۔حالی،مولانا الطاف حسین،یادگارِ غالب،(خزینۂ علم و ادب،اردو بازار،لاہور)۲۰۰۲ء،ص ۸۰

۴۴۔مولانا غلام حسن قادری،شرح کلام رضاؒ فی نعت المصطفےٰ ﷺ، ص1069

۴۵۔قمر عینی،ولائے رسول ﷺ،ص ۲۴ ۴۶۔القرآن ۷۸:۱۰۔

۴۷۔القرآن ۳۷:۴۵۔ ۴۸۔۔اردو لغت،اردو لغت بورڈ،کراچی

۴۹۔مغیلانِ مدینہ،ص ۳۵ ۵۰۔اردو لغت

۵۱۔اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،ص ۲۱۷......۵۲۔قرآن کریم سورۂ احزاب[۳۳] آیت نمبر ۱۳

۵۳۔تفسیر مظہری،جلد نہم،ص ۲۲۵...... ۵۴،۵۴۔صحیح بخاری...... ۵۵۔شہپرِ جبرئیل،ص ۱۲۵

۵۶.القرآن ۵۷۔کشکولِ ہلال،ص ۲۳۱ ۵۸۔کلیاتِ ریاض سہروردی،ص580

۵۹۔ایضاً ص ۵۸۷ ۶۰۔ضیاء القرآن،پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

۶۱۔المستدرک،محمد بن عبداللہ الحاکم،نیشاپوری،جلد اول:ص ۱۱۸،حدیث:182

۶۲۔عارف عبدالمتین......بے مثال

۶۳۔غالب،کلیاتِ غالب (فارسی) مع شرح،(مکتبہ دانیال،لاہور)۲۰۰۴ء،ص ۲۳

۶۴۔اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،ص ۲۵۶

۶۵۔اعجاز رحمانی،چراغِ مدحت،(قومی ادبی سوسائٹی پاکستان،کراچی،نارتھ کراچی)۱۹۹۶ء،ص ۱۱۸۔

۶۶۔ڈاکٹر سراج احمد قادری،شمائم النعت،ص ۱۹۴

۶۷۔ایضاً ص ۱۹۵ ۶۸۔اردو شاعری میں نعت (جلد دوم) ص ۱۳۸

☆☆

کتابیات:

☆القرآن الکریم

☆تراجم وتفاسیر:

الف:

۱۔ابنِ عباس رضی اللہ عنہ،تفسیرِ ابنِ عباس،جلد دوم،مترجم: مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی،فرید بک سٹال،اردو بازار،لاہور،۲۰۰۵ء

۲۔ابوالاعلیٰ مودودی،تفہیم القرآن، ج:سوم،ادارۂ ترجمان القرآن،لاہور

۳۔ایضاً جلد:پنجم

۴۔امیر محمد اکرم اعوان،اسرارالتنزیل،ادارۂ نقشبندیہ اویسیہ،دارالعرفان،مَنارہ،ضلع: چکوال

۴۔الف۔اسماعیل آزاد (ڈاکٹر محمد) فتحپوری، اردو شاعری میں نعت (جلد دوم)،نعت ریسرچ سینٹر،کراچی۔اشاعتِ دوم:۲۰۱۹ء

ث:

۵۔ثناءاللہ،قاضی ثناءاللہ عثمانیؒ پانی پتی،تفسیرِ مظہری،جلد:۸،خزینۂ علم وادب،اردو بازار،لاہور،

۶۔ایضاً جلد۹ ۷۔ایضاً جلد۱۱

ر:

۸۔رضا،احمد رضا خاں بریلویؒ،ترجمۂ قرآن: کنزالایمان،تفسیر: نورالعرفان،مفتی احمد یار خاں نعیمی، پیر بھائی کمپنی،اردو بازار،لاہور

۹۔..................،ترجمۂ قرآن،کنزالایمان،تفسیر:مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین،مرادآبادی

س:

۱۰۔سیماب اکبرآبادی،وحیِ منظوم (منظوم ترجمۂ قرآن)،سیماب اکاڈمی پاکستان،نارتھ کراچی،کراچی

ش:

۱۱۔شبیر احمدؒ عثمانی،مولانا،تفسیرِ عثمانی،سعودی عرب

۱۲۔شبیر احمد،مولانا سید،ترجمۂ قرآن،قرآن آسان تحریک،لاہور

۱۳۔شفیع،مولانا مفتی محمد شفیعؒ،معارف القرآن،جلد:۳،ادارۃ المعارف،کراچی

ص:

۱۳۔الف۔صفی الرحمٰن مبارک پوری،تفسیرِ احسن البیان،ریاض

ف:

۱۴۔فوادعبدالباقی محمد،المعجم المفہرس،لالفاظ القرآن الکریم،بیروت

ک:

۱۵۔کرم شاہ،پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاءالقرآن،جلد:۳ ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،لاہور

۱۶۔ایضاً جلد:۴ ۱۷۔ایضاً جلد:۵

م:

۱۸۔محمد جوناگڑھی،مولانا،ترجمۂ قرآن،تفسیر احسن البیان (اردو) حافظ صلاح الدین یوسف،دارالسلام، ریاض،سعودی عرب

کتبِ احادیث:

الف:

۱۔ابنِ ماجہ جلد دوم،ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،لاہور

۲(الف)۔ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ،جلد:۲ بخاری شریف،جلد:۳، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

۳۔ابوعیسیٰ،امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی شریف،جلد:۲،مترجم: مولانا ناظم الدین،مکتبۃ العلم،اردو بازار،لاہور

۴۔احسن احمد بن میجر عبدالشکور،مولانا،احادیثِ قدسیہ،مکتبۂ رحمانیہ،اردو بازار،لاہور

ح:

۵۔حافظ ابی عبداللہ محمد بن الحاکم النیسابوری،المستدرک،جلد اول،شبیر برادرز،لاہور۔

و:

۶۔ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمریؒ،امام،مشکوٰۃ شریف،جلد:۲،مکتبۂ رحمانیہ،اردو بازار،لاہور

عام کتب

الف:

۱۔الف۔د۔نسیم،ڈاکٹر،شرح جاوید نامہ،(شیخ محمد بشیر اینڈ سنز،لاہور) س۔ن

۱۔الف۔ابوالحسن محمد منظور احمد فیضی،مقامِ رسول،ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،لاہور۔اکتوبر ۲۰۱۰ء

۲۔۳۴۔اسحاق قریشی، ڈاکٹر پروفیسر محمد اسحاق قریشی، برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، مرکز معارف اولیاء،محکمۂ اوقاف،حکومتِ پنجاب، شوال:۱۴۲۳ھ،۲۰۰۲ء

۲۔الف۔اسمٰعیل انیس، چراغِ عالمیں،مکتبۂ شہزاد اقبال،لانڈھی ٹاؤن،کراچی،۱۴۰۵ھ

۳۔اعجاز رحمانی، چراغِ مدحت،قومی ادبی سوسائٹی پاکستان،کراچی،نارتھ کراچی،۱۹۹۶ء

۴۔اقبال عظیم،زبورِ حرم،نعت ریسرچ سینٹر،نارتھ کراچی،کراچی،اشاعتِ دوم:۲۰۱۰ء

۵۔ آلوسی، محمود شکر آلوسی، بلوغ الارب، ج: چہارم، ترجمہ: پیر محمد حسن، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، بار اول: مارچ، ۱۹۶۸ء

٦۔ بقا نظامی عظیم آبادی، شہپرِ جبریل، مطب المرکز شفا، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۵/جنوری ۱۹۹۲ء

۷۔ بیدم وارثی، دیوانِ بیدم، علی ہجویری پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۳ء

۸۔ جلاالدین سیوطی شافعی، امام، الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیرالوریٰ، مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی، مکتبہء اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور، بار سوم: جمادی الثانی ۱۴۲٦ھ، ۲۰۰٦ء

9۔ حالی، خواجہ الطاف حسین ، یادگارِ غالب، خزینہء علم وادب، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء

۱۰۔ حبیب الرحمٰن صدیقی، علامہ، کاندھلوی، "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول"، (الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، مکان نمبر ۳۔ ۷۔ اے، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی) س۔ن

۱۱۔ ذوقی، شاہ سید محمد ذوقی، سرِّ دلبراں، محفلِ ذوقیہ، نارتھ کراچی، کراچی، طبع پنجم: ۱۴۱۸ھ

۱۱۔ الف۔ ریاض سہروردی، کلیات، مرتبہ: ڈاکٹر شہزاد احمد، مرکزی انجمِ عندلیبانِ ریاضِ رسول ﷺ پاکستان، کراچی۔ دسمبر ۲۰۱۳ء

۱۲۔ رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، (نعت ریسرچ سینٹر، کراچی) اپریل ۲۰۱۰ء

۱۲۔ الف ۔ رشید، عبدالرشید فاضل، پروفیسر، سلسلہء درسیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۱٦، میکلوڈ روڈ، لاہور، طبع ثانی ۱۹۹۰ء

۱۳۔ شرحِ حدائق بخشش، کلامِ رضا، احمد رضا خاں بریلوی، شارح: مولانا غلام حسن قادری، مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور

۱۳۔ الف۔ سراج احمد قادری، ڈاکٹر، شمائم النعت، ادب کدہ، محلّہ بنجر یا پچھمی، خلیل آباد، صلع سنت کبیر نگر، بھارت، اشاعتِ اول: جنوری ۲۰۰۹ء

ط:

۱۴۔ طاہر القادری، میلادِ مصطفیٰ ﷺ، منہاج القرآن، لاہور

ظ:

۱۵۔ ظہور الحسنین شاہ، سید، ظاہر یوسفی تاجی، (ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی، مشن روڈ، کراچی) ۱۹٦۲ء

ع:

۱٦۔ عارف عبدالمتین، بیمثال، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۵ء

۱٦۔ الف۔ عبدالحق، شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، جلد: دوم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست ۲۰۰۵ء

۱۷۔ عزیز صابری، جواہر النعت، بزمِ یوسفی، فیڈرل بی ایرایا، کراچی، ۱۹۸۱ء

۱۸۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر، دورِ حاضر اور غزل گوئی، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ۱۹۵۱ء

۱۸۔ الف۔ عطار، محمد الیاس، مغیلانِ مدینہ، (مکتبہ المدینہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی) س۔ن

غ:

۱۹۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں، غزلیاتِ فارسی، مرتبہ: وزیر الحسن عابدی، مجلس یادگارِ غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹٦۹ء

۱۰۔ کلیاتِ غالب (فارسی، متن، لغت، ترجمہ، شرح، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی)، مکتبہ دانیال، لاہور، ۲۰۰۴ء

۲۱۔ غوث متھراوی، بلاوہ، (ڈیفینس اتھارٹی فیز فائیو، ایکس ٹینشن، کراچی) نومبر ۱۹۹۲ء

۲۲۔ قمر رعینی، ولائے رسول، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، بار اول: ۲۰۰۲ء

۲۳۔ کوکب نورانی اوکاڑوی، نعت اور آدابِ نعت، مہر منیر اکیڈمی (انٹرنیشنل)، سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، دسمبر ۲۰۰۴ء

۲۴۔ نسیم امروہوی، مسدس نسیم مشتمل بر نعت و رحلت رسولِ کریمؐ، (ناشر سید علی امروہوی، فیڈرل بی ایریا کراچی) س۔ن

۲۵۔ نصیرالدین، پیر نصیر الدین، دیں ہمہ اوست، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ، اسلام آباد، ۱۴۲۸ھ

۲٦۔ وجیہ الدین احمد خان، مولانا، قادری مجددی، مسلکِ ارباب حق، جامع العلوم فرقانیہ، رام پور (بھارت) بار دوم: ۱۴۲٦ء/۲۰۰۵ء

۲۷۔ ہلال جعفری، کشکولِ ہلال، (بزم شعر وادب، اسلام آباد)، ستمبر ۲۰۰۰ء

۲۸۔ نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی شمارہ ۲۰، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

۲۹۔ نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی، شمارہ ۲۱، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

۳۰۔ سلیمان منصور پوری، قاضی محمد، رحمۃ للعالمین ﷺ، ج دوم، (مکتبہء اسلامیہ، اردو بازار لاہور) جون ۲۰۰٦ء

۳۱۔ اردو لغت، اردو لغت بورڈ، کراچی

۳۲۔ نوا اللغات، نور الحسن نیر

☆☆

ڈاکٹر عزیز احسن

ایک تعارف

نام : عبدالعزیز خان ولد عبدالحمید خان (یوسف زئی پٹھان)

قلمی نام : عزیز احسن

پیدائش : ۱۴رشوال المکرّم ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۱راگست ۱۹۴۷ء (جے پور، بھارت)
(میٹرک سرٹیفیکیٹ کے مطابق تاریخِ پیدائش: ۴رجون ۱۹۴۹ء)

پاکستان آمد : مئی ۱۹۴۸ء

تعلیم : میٹرک (1966)، بی۔کام (1970)، فاضل (اردو1971)،
فاضل (فارسی1974)، ایل، ایل، بی(1978) ایم۔اے (تاریخ اسلام)
جامعہ کراچی (1985)، ایم۔فل (اقبالیات)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،
اسلام آباد (2008ء)، پی۔ایچ۔ڈی (اردو) جامعہ کراچی۔(2012)

تصانیف:

۱۔ اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقید) ۱۹۹۸ء
۲۔ تیرے ہی خواب میں رہنا (شعری مجموعہ) ۲۰۰۰ء
۳۔ نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقید) ۲۰۰۳ء،
۴۔ کرم ونجات کا سلسلہ (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۵ء
۵۔ ہُنر نازک ہے (تنقید) ۲۰۰۷ء
۶۔ شہپرِ توفیق (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۰۹ء
۷۔ نعت کے تنقیدی آفاق (تنقید) ۲۰۱۰ء
۸۔ رموز بیخودی کا فنی وفکری جائزہ (مقالہ: ایم۔فل [اقبالیات]) ۲۰۱۱ء
۹۔ امیدِ طیبہ رسی (نعتیہ مجموعہ) ۲۰۱۲ء
۱۰۔ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ: پی۔ایچ۔ڈی) ۲۰۱۳ء

۱۱۔ پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر، جولائی ۲۰۱۴ء
۱۲۔ تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم (کتابچہ) دسمبر ۲۰۱۴ء
۱۳۔ نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے، (تنقیدی مضامین) ۲۰۱۵ء
۱۴۔ حمد ونعت کے معنیاتی زاویے (تنقیدی مضامین) فروری 2018ء
۱۵۔ تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم (کتابچہ) اشاعتِ دوم: ۲۰۱۸ء
۱۶۔ نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی 2019ء (پیشِ نظر)

عزیز احسن کے علمی و تخلیقی سرمائے کی تدوین:

۱۔ ڈاکٹر عزیز احسن اور مطالعاتِ حمد ونعت......مرتبہ: صبیح رحمانی 2015ء
۲۔ ڈاکٹر عزیز احسن کی ادبی تحریریں......مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز 2016ء
۳۔ کلیاتِ عزیز احسن......مرتبہ: صبیح رحمانی 2017ء

تالیفات:

۱۔ جواہر النعت (نعتیہ انتخاب) ۱۹۸۱ء
۲۔ مِ ص (نعتیہ مجموعہ) فدا خالدی دہلوی، ۱۹۸۳ء
۳۔ آتش احساس (مجموعہ غزلیات) فدا خالدی دہلوی ۱۹۸۴ء
۴۔ خوابوں میں سنہری جالی ہے (نعتیہ مجموعہ) صبیح رحمانی، ۱۹۹۷ء،
۵۔ قصرِ بلند، یعنی مطالعہ قرآن، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء
۶۔ سبد گل، ایچ، ایچ، امام اکبر آبادی، ۲۰۰۱ء
۷۔ بحرِ شناسائی، (فارسی کلام) حضرت سید ظہور الحسنین شاہ ظاہر احسنی، یوسفی تاجیؒ، ۲۰۱۴ء

ادبی سرگرمیاں:

☆ ڈائرکٹر نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔
☆ نگراں ''نعت رنگ'' مدیر: سید صبیح رحمانی
☆ معاون مدیر: کتابی سلسلہ ''سفیرِ نعت'' مرتبہ: آفتاب کریمی، کراچی
☆ رکنِ مجلسِ تحریر و مشاورت: سہ ماہی ''فروغِ نعت''، اٹک

☆ ریڈیو پاکستان، کراچی، عالمی سروس سے 1982 تا 1984 بے شمار کتابوں پر تبصرے نشر کیے

☆ ایک ریڈیو فیچر ''امیر خسروؔ'' بھی لکھا جو ریڈیو پر نشر ہونے کے بعد ''احباب'' کراچی میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر عزیز احسن کی ادبی تحریریں......مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز 2016ء میں بھی شامل ہے

☆ گاہے بگاہے .Qtv.,Ptv اور .Metro One News T.V پر نعتیہ ادب کے حوالے سے ہونے والی گفتگو میں بھی شریک رہے ہیں۔

☆ QTV کے مشہور پروگرام ''خوشبوئے حسانؓ'' کے بیشتر پروگراموں میں نعت گو شعراء کے بارے میں اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کیا۔

☆ نور ٹی وی برمنگھم، برطانیہ کے کچھ علمی و ادبی پروگراموں میں بھی حصہ لیا۔

☆ روزنامہ جسارت، کراچی کے ادبی صفحات پر ڈاکٹر عزیز احسن کی تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ہفتہ وار شائع ہونے والے ''جسارت میگزین'' میں بھی ادبی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔

☆ نعتیہ موضوعات پر کچھ روزناموں میں بھی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً: روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی۔ روزنامہ ''جنگ'' کراچی۔ روزنامہ جنگ، راولپنڈی۔

☆ انجمنِ احبابِ جے پور، کراچی، کے مجلّے ''احباب'' کے مدیرِ معاون بھی رہے ہیں۔

☆ عمومی اور نعتیہ ادبی موضوعات پر کچھ مضامین درج ذیل جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں: ''احباب''، انجمنِ احبابِ جے پور، کراچی۔ کتابی سلسلہ ''مکالمہ'' کراچی۔ ''علم کی روشنی''، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔ دو ماہی ''سربکف''، کراچی۔ سہ ماہی ''الزبیر'' بہاولپور۔ ''جامِ نور''، دہلی، بھارت۔ ''نعت رنگ'' کراچی، ''سفیرِ نعت'' کراچی، ''مدحت'' (نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ) لاہور۔ ماہنامہ کاروانِ نعت، لاہور۔ مخزن، لاہور، زبان و ادب، شعبہء اردو، گورنمنٹ کالج یونیوسٹی، فیصل آباد، الاقرباء، اسلام آباد، مجلّہ گورنمنٹ سٹی کالج، کراچی، ''فیض الاسلام'' راولپنڈی۔ دبستانِ نعت، سنت کبیر نگر، یوپی، بھارت۔ اردو ٹائمز، ممبئی، بھارت۔ سہ ماہی ''اردو ادب''، انجمنِ ترقیِ اردو [ہند] نیو دہلی، بھارت۔ شش ماہی ''تحقیق''، شعبہء اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔ رنگِ ادب، کراچی۔ سہ ماہی ''ادبیات''، اسلام آباد۔ ہفتہ روزہ اخبار ''پنجاب پوسٹ'' لاہور۔ روزنامہ ''انقلاب'' بھارت۔ ماہنامہ قومی زبان، انجمنِ ترقی اردو پاکستان، کراچی۔

معارفِ رضا، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی۔

اعزازات:

☆ اعترافِ خدمات ایوارڈ 2014ء برائے شعبۂ تحقیق و فروغِ نعت (بیادشاہ انصار الہٰ آبادی) منجانب: ادبستانِ انصارؔ کراچی، پاکستان۔

☆ ایوارڈ برائے حسنِ خدمات، حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کانفرنس، 2014ء

☆ بہترین نقاد ایوارڈ، نعت ریسرچ سینٹر، (لیڈز) برطانیہ، 2016ء

☆ شیلڈ برائے مقالہ (امام احمد رضا کا نعتیہ کلام' حدائقِ بخشش) نگاری، ۳۹ ویں امام احمد رضا کانفرنس، ۲۰۱۹ء، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) پاکستان، کراچی۔

☆ ڈاکٹر عبدالقدیر خان بکس ایوارڈ برائے 2006ء سے 2018ء تک لکھی جانے والی کتب مقالہ برائے پی ایچ ڈی (کتاب: اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ......ڈاکٹر عزیز احسن)۔ منجانب: قائدِ اعظم رائٹرز گلڈ پاکستان۔ محسنِ پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنے دستِ مبارک سے ۲۲ راپریل ۲۰۱۹ء کو ایک تقریب میں یہ ایوارڈ عطا فرمایا۔

☆

Mail Add: A-12, Block 13, Gulistan-e-Jauhar,
Karachi, Pakistan.
E:mail: abdulazizkhan49@gmail.com
Cell No. 00923335567941